توفیق الحکیم

شہرزاد

(ڈرامہ)

ALLAMA IQBAL LIBRARY
312002

ترجمہ

محمد اسلم اصلاحی

توفیق الحکیم

شہرزاد

(ڈرامہ)

ترجمہ

محمد اسلم اصلاحی

© محمد اسلم اصلاحی

• سن اشاعت : مارچ ۱۹۸۸ء
• ناشر : محمد اسلم اصلاحی
• کتابت : محمد احمد
• تعداد اشاعت : چھ سو
• طابع : نامی پریس لکھنؤ
• قیمت :

ALLAMA IQBAL LIBRARY
312002

KASHMIR UNIVERSITY
Iqbal Library
Acc No 312002
Dated 18.3.91
ST 01

تقسیم کار

محمد اسلم اصلاحی۔ شعبۂ عربی۔ کشمیر یونیورسٹی۔ سری نگر
دانش محل بک سیلرز۔ امین الدولہ پارک۔ لکھنؤ
مکتبہ جامعہ۔ جامعہ نگر، نئی دہلی۔

عربی زبان وادب کے
شہرۂ آفاق ڈرامہ نگار
توفیق الحکیم (مرحوم)
کے
نام

فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی
حکومت اُتّر پردیش لکھنؤ
کے
مالی اشتراک سے شایع ہوئی

فہرست مضامین

کچھ شہرزاد کے بارے میں

توفیق الحکیم کے جملہ ڈراموں میں "شہرزاد" کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے
اس ڈرامے کو جہاں پاسداران حرم نے اخلاق سوز اور عریانیت کا مظہر قرار دیا ہے
وہیں اصحابان نظر نے اسے ادب و فن کا شاہکار اور انسانی نفسیات کا ایسا
خوب صورت آبگینہ بتلایا ہے جس میں صنف نازک کی پیچ در پیچ شخصیت کا عکس
اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اس ڈرامے کے مخالفین کا
کہنا ہے کہ اس میں عورتوں کی نفسیات کو اجاگر کرنے کے بجائے انھیں خواہشات
نفسانی کا مجسمہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اس خیال کی صداقت اور عدم صداقت سے
سے قطع نظر یہاں اس امر کی جانب اشارہ خالی از دلچسپی نہیں کہ زیر نظر ڈراما
کی اشاعت کے بعد ڈراما نگار کو زنان مصر کی طرف سے شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا
پڑا اور وہ ان کے حلقے میں "عدو المرأۃ" (عورت دشمن) کے نام سے مشہور ہو گیا اور
آج بھی جب کہ شہرزاد کی اشاعت پہ پچاس سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے،
توفیق الحکیم عورتوں کی نگاہ میں اپنی تمام تر جدت پسندی کے باوجود اعتبار کا
درجہ حاصل نہیں کر سکے ہیں۔

شہرزاد کا نام آتے ہی ذہن میں "الف لیلہ و لیلہ" کا خیال فوراً کوند جاتا ہے
شہرزاد اور شہریار دونوں گرچہ افسانوی کردار ہیں لیکن روایات کے تسلسل اور

مضبوطی نے ان دونوں کرداروں کو مشرق و مغرب میں اس قدر مقبول بنا دیا ہے کہ آج ہمارا تہذیبی ورثہ ان کے ذکر کے بغیر نامکمل تصور کیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ الف لیلہ ولیلہ جس نے مذکورہ دونوں کرداروں کو لازوال شہرت سے ہم کنار کیا ہے، کا دنیا کی بیشتر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور جب بھی اسلامی تمدن و ثقافت کی بات چلتی ہے لوگوں کی نگاہیں فوراً مذکورہ کتاب کے رومانوی ماحول میں کھو جاتی ہیں، اصولی طور پر اس عام طرز فکر سے میرے عدم اتفاق کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ الف لیلہ ولیلہ عباسی حکمرانوں کے اس عہد زریں کی آئینہ دار ہے جب مسلمان آرام و آسائش رنگ و رامش اور علم و دانش کے جلوۂ صد رنگ میں کھوئے ہوئے تھے یہ اس دور کی داستان ہے جب فرزندان توحید زندگی کے جملہ گوشوں میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اوج کمال کی نئی منزلیں تلاش کر رہے تھے. یہ اوج و کمال اگر انھیں ایک طرف شمشیر و سناں کے میدان میں حاصل تھا تو دوسری طرف کوچۂ نشاط و طرب میں بھی وہ ایک امتیازی شان سے داد عیش دے رہے تھے۔

یہی وہ کوچہ نشاط و طرب ہے جس نے اس دور کے ادبا، شعرا اور فنکاروں کی قوت تخیل کو مہمیز کیا اور انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ دلچسپ و دلپذیر داستانوں قصوں اور قصائد کے سہارے اس عہد کے سماجی، معاشرتی، ثقافتی اور اخلاقی پہلوؤں کو لازوال بنا دیں بنا بریں آج یہ خیال ایک حقیقت کی شکل اختیار کر گیا ہے کہ عباسی دور حکومت کی تاریخ کے مطالعہ کے لیے اس زمانے کے شعری و نثری شہپاروں کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے۔

تاہم اس پس منظر میں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ توفیق الحکیم نے "شہرزاد" میں عہد عباسی کے کسی واقعہ کو ڈرامائی شکل دی ہے یا انھوں نے "الف لیلہ ولیلہ" کی کسی داستان کو اپنے اس فن پارہ میں مرکزی خیال کے طور پر استعمال کیا ہے امر واقعہ یہ ہے

کہ توفیق نے مذکورہ کتاب سے صرف اہم کرداروں کے نام لیے ہیں اور پھر ان کے تانے بانے سے انتہائی دل نشیں اسلوب میں اپنے نقطہ نظر کو پیش کیا ہے. بالفاظ دیگر انھوں نے الف لیلہ ولیلہ" کی داستانوں میں نہ صرف ایک داستان کا اضافہ کیا ہے بلکہ ان سوالات کو حسیتی پیکر عطا کیا ہے جو غور و فکر کرنے والے اشخاص کے ذہنوں میں مذکورہ کتاب کے پڑھنے کے بعد ابھرتے ہیں" شہرزاد" میں بنیادی طور پر دو سوالوں کی زیادہ اہمیت دی گئی ہے اول یہ کہ انسانی علم و دانش کے سرچشمے کون کون سے ہیں اور دوئم یہ کہ عورت اپنی گفتار و کردار میں کس قدر پہلو دار واقع ہوئی ہے۔

ان سوالوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس حقیقت کا علم ضروری ہے کہ" الف لیلہ ولیلہ" جیسی عظیم داستان کو روبہ وجود لانے میں شہر یار کے اس ظالمانہ رویے کا بہت بڑا ہاتھ ہے جسے اس نے عورتوں کے ساتھ اپنا رکھا تھا۔ عورتوں سے اس کی نفرت اس واقعہ کی دین تھی جب اس نے ایک دن اپنی بیگم خاص کو ایک حبشی غلام کی بانہوں میں جھولتا ہوا پایا تھا، اس منظر نے اس کے ذہن و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ہر شام ایک نوخیز دوشیزہ سے شادی کرے گا اور شب باشی کے بعد اسے پو پھٹنے سے پہلے نہ تیغ کروا دے گا، یہ خون آشام فیصلہ دوشیزگان وقت کے لیے قہر الٰہی ثابت ہوا اور ایک کے بعد ایک گلبدن شہر یار کے سفاکانہ عمل کا شکار بننے لگی۔ نتیجتہً مملکت حسن و جمال میں کہرام مچ گیا ایسے عالم میں فوج کے سپہ سالار کی فرزانہ لڑکی نے خود کو شہر یار کے سامنے ایک رات کی زوجیت کے لیے پیش کر دیا۔ اس پیش کش نے ارکان سلطنت کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور انھوں نے شہرزاد کو اس عزم و ارادے سے باز رکھنے کی بھر پور کوشش کی لیکن ان کی یہ کوشش رائگاں گئی اور بالآخر وزیر اعظم نے

دل پر پتھر رکھ کر اپنی لاڈلی کو موت کے منھ میں ڈھکیل دیا۔

شہرزاد کا مذکورہ فیصلہ منصوبہ بند تھا چنانچہ اس نے ایک رات کی رفاقت کے دوران شہریار کو داستانوں کے دام میں اس طرح گرفتار کر لیا کہ اسے بوقت صبح اس خونی فیصلے کو ایک دن کے لیے ملتوی کرنا پڑ گیا جس کے تحت شہرزاد کو موت کے گھاٹ اتارا جانا تھا۔ دوسری رات بھی شہرزاد نے کہانیوں کا ایسا سلسلہ شروع کیا جو پو پھٹنے تک نامکمل رہا، انجام کار شہریار کو دوبارہ ایک دن کے لیے اپنے خونی ارادے کو ٹالنا پڑا اور پھر اس کے بعد التواء کا یہ سلسلہ برابر بڑھتا رہا یہاں تک کہ ایک ہزار ایک راتیں گذر گئیں اس تمام مدت کے دوران شہرزاد ہر رات کوئی نہ کوئی دلچسپ کہانی سنا کر اپنی جان بچاتی رہی اور اس طرح ایک ہزار ایک کہانیاں (الف لیلہ و لیلہ) وجود میں آ گئیں۔

اتنی لمبی مدت گذر جانے اور اتنی ساری داستانوں کو سننے کے بعد ایک طرف تو شہریار کے لیے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ شہرزاد کے بارے میں گردن زدنی کا حکم دے دوسری طرف اس کے ذہن و دماغ میں اس سوال نے ہجوم کر لیا کہ شہرزاد کو اتنی ساری باتیں اور اتنی ساری معلومات کہاں سے حاصل ہو گئیں حالانکہ اس نے محل سرا کی چہار دیواری سے باہر کبھی قدم نہیں رکھا چنانچہ وہ بار بار شہرزاد سے پوچھتا ہے کہ اسے معلومات کا یہ خزانہ کہاں سے ملا ہے، زمین کی گہرائیوں اور آسمان کی بلندیوں کے بارے میں اسے یہ علم کہاں سے حاصل ہوا ہے، وہ ابھی کم عمر ہے لیکن اس کے پاس بوڑھی عورتوں کے برابر تجربات کہاں سے آئے۔ یہ اور اسی طرح کے سوالات وہ شہرزاد سے کرتا ہے مگر شہرزاد ان کے جواب میں کبھی تو مسکرا کر رہ جاتی ہے اور کبھی یہ کہہ کر خاموش ہو جاتی ہے کہ اسے خود اپنے منبع علم کا پتہ نہیں ہے۔

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ توفیق الحکیم نے اس ڈراما میں

کوشش کی ہے کہ مشرق و مغرب کے تناظر میں شہرزاد اور شہریار کے کرداروں کو پیش کریں دوسرے الفاظ میں انھوں نے شہرزاد اور شہریار کو علامت (SYMBOL) کے طور پہ استعمال کیا ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ شہرزاد کو اگر مشرق اور مشرقی اقدار اور روایات کی نمائندگی حاصل ہے تو شہریار ان سوالات کا پیکر نظر آتا ہے جو ساکنان یورپ کے ذہنوں میں مشرق کے ذرائع علم مثلاً وحی، الہام، القاء اور کشف وغیرہ کے متعلق اکثر اٹھتے رہتے ہیں۔ یورپ کے نزدیک حصول علم کا ذریعہ صرف ایک ہے اور وہ ہے تجربہ، تجربہ سے اگر کوئی بات ثابت ہو جائے تو ٹھیک ورنہ نہیں لیکن اہل مشرق کے یہاں صورت حال قدرے مختلف ہے وہ تجربہ کو منجملہ وسائل میں شمار کرتے ہوئے علم کے دوسرے امکانی ذرائع کے منکر نہیں ہیں۔ نقطۂ نظر کا یہی اختلاف مشرق و مغرب کے درمیان بنیادی طور پہ حد فاصل ہے اور توفیق الحکیم نے اسی اختلاف کو زیر نظر ڈراما میں بڑے خوبصورت پیرائے میں نمایاں کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

'شہرزاد' کے مطالعہ کے دوران اگر یہ پہلو اوجھل ہو تو ہمیں ڈراما میں بہت سی قابل اعتراض اور معیوب باتیں نظر آئیں گی اور ہمیں بجا طور پہ یہ محسوس ہوگا کہ ڈراما نگار کا قلم کسی نشتر بے مہار کی طرح دشت عریانیت و فحاشی میں بھٹک رہا ہے اور وہ شہرزاد کی کردار نگاری کے بجائے اس کی کردار کشی کر رہا ہے اور اس کی شخصیت کے واسطہ سے جملہ عورتوں کو بے وفائی اور خیانت کے داغ سے داغدار کر رہا ہے جبکہ سچائی یہ ہے کہ توفیق نے عورتوں کی نفسیات کو اس ڈرامے میں ثانوی حیثیت دی ہے اور مقدم طور پر اس تضاد کو اپنے اشہب فکر کا محور بنایا ہے جو نظریاتی لحاظ سے ربع مسکوں کے باسیوں کو دو بڑی وحدتوں میں تقسیم کرتا ہے اور جس کے سبب انسانی وجود اطمینان اور بے اطمینانی کے دو واضح خانوں میں بٹا ہوا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ہمیں شہرزاد اور شہریار کے کرداروں کا جائزہ لینا چاہیے اور اس کے بعد ہی ڈرامے کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنی چاہیے۔

بالاختصار ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ دونوں کردار علامتی ہیں اور ان کے ذریعہ توفیق الحکیم ان مسائل کی نشاندھی کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق مشرق و مغرب کے لوگوں کے ذہنی و فکری رویے سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فی زمانہ ذہن و فکر سے متعلق مسائل کچھ زیادہ ہی اہمیت اختیار کر گئے ہیں ہماری موجودہ تحقیق و جستجو آج ہمیں اس مرحلے پر کھینچ لائی ہے جہاں پہلے سے زیادہ بڑے اور اہم سوالات ہمارے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں برٹنڈرسل نے اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر کہا تھا کہ حقیقت کی تلاش میں ہم جوں جوں آگے بڑھتے ہیں ہمارے دل میں یہ احساس جاگزیں ہوتا جاتا ہے کہ ہم جس قدر آگے بڑھے ہیں اس سے کہیں زیادہ پیچھے آ گئے ہیں۔" یہ فکری بحران اور ذہنی کشاکش کیا عالم انسانیت کا مقدر ہے؟ کیا اس سے نجات ممکن ہے؟ کیا اس کے تدارک کی کوئی سبیل ہے؟ یہ اور اسی طرح کے سوالات کا حل ہمیں شہرزاد کے کردار میں نظر آتا ہے جو انجام و عواقب سے بے فکر ہو کر "غیب" سے آئے ہوئے "مضامین" کو بیان کر دیتی ہے۔

"شہرزاد" مشرق کے اس روحانی رویہ کی غماز ہے جو تخلیق کائنات کے متعلق انسانی ذہن کی پیدا کردہ الجھنوں کو "الایمان بالغیب" کے ذریعہ سلجھا دیتا ہے چونکہ مغرب کے پاس "الایمان بالغیب" کا تصور سرے سے ہے ہی نہیں یا ہے تو اس کی بنیادیں کمزور ہیں اسی لیے وہاں کے مفکرین کی پرواز کا دائرہ مادیت کے مایاجال تک ہی محدود ہوتا ہے اور وہ شہریار کی طرح سراغ زندگی کی تلاش میں مصروف رہنے کے باوجود ہمیشہ پریشان اور ژولیدہ خیال رہتے ہیں، انھیں اگر کبھی دو قدم آگے بڑھنے کی خوشی حاصل ہوتی ہے تو دوسرے ہی لمحہ ان کے ذہن و دماغ کو دوسرے پیچیدہ ترین سوالات حیرت و استعجاب میں غرق کر دیتے ہیں اور بالآخر وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ حیات و کائنات کی حقیقت کا ادراک از بس ناممکن ہے مجبوری کا یہ احساس کبھی انھیں دنیاوی لذتوں سے

لطف اندوز ہونے کے لیے اکساتا ہو تو کبھی ترک دنیا کی ترغیب دیتا ہو اور یہ دونوں ہی صورتیں افراط و تفریط کی مظہر ہیں اور کاروان انسانیت کو جادۂ اعتدال سے دور لے جاتی ہیں۔

شہریار کے کردار میں توفیق نے انھیں دو صورتوں کو مجسم کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شہریار ابتدا میں عیش و عشرت اور سرور و لذت میں اس قدر کھو یا رہتا ہو کہ اسے خواہشات نفسانی کے علاوہ کچھ سجھائی نہیں دیتا ہو اور وہ صنف نازک کے وجود کو محض لذت یابی کا وسیلہ خیال کرتا ہو۔ وہ ہر رات کسی نہ کسی دوشیزہ کو اپنے محل کی زینت بناتا ہو اور صبح تڑکے اسے مقتل بھجوا دیتا ہو کہ مبادا وہ دوشیزہ کسی اور کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ گویا اس کی فکر کا دائرہ انسانی جسم سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتا تھا۔ یہ کیفیت اس کے ذہن و دماغ پر چھائی رہی یہاں تک کہ شہرزاد شب بھر کے لیے اس کی زندگی میں آئی اور اس کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ شہرزاد جسے اس نے محض لذت کوشی کا ذریعہ سمجھا تھا، نے اس کی دنیائے فکر میں انقلاب برپا کر دیا اور پھر اس کی توجہ کا مرکز انسانی اجسام کی جگہ کوئی اور شئی ہو گئی۔ یہی اور شئی ہی درحقیقت توفیق کے نزدیک وہ نقطہ ہو جو مشرق و مغرب کے درمیان حد فاصل ہو اور اسی کی تفسیر و توضیح ہی دنیا کے دو بڑے مکاتب فکر کو جنم دیتی ہے۔

بہرحال شہریار کا ذہن مذکورہ نئی صورت حال کے لیے تیار نہیں تھا لہٰذا وہ حیرانی و دیوانگی کے عالم میں ان تمام چیزوں کو لغو و بیکار سمجھنے لگا جو ابھی کل تک اس کے افکار و نظریات کی اساس تھیں۔ اس کے سامنے زندگی کا وہ رنگ و روپ آیا جنھوں نے اس کے خیالات و معتقدات کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں اور وہ مادی اشیا سے متنفر ہو کر اپنے وزیر قمر کے ساتھ تلاش حقیقت کے لیے دنیا کے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ سفر کے دوران ذاتی مشاہدات کی روشنی میں وہ اس نتیجہ تک پہنچا کہ اشیا کی کنہ اور اصل تک رسائی انسان

کے دائرہ اختیار سے باہر ہو اور اس سرائے خانی میں اجسام کی حقیقت محض برتن کی ہے جس میں کچھ وقت کے لیے کوئی چیز رکھ دی جاتی ہے۔ اس کے نقطۂ نظر کی اس تبدیلی کا اظہار ہم پر اس وقت ہوتا ہے جب وہ وطن واپس آکر حبشی غلام کو شہرزاد سے قریب پانے کے باوجود نہ تو اسے قتل کرنے کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی شہرزاد کو جلادو کے حوالے کرتا ہے، وزیر قمر جسے شہرزاد سے پرستش کی حد تک لگاؤ تھا، نے اس تبدیلی کو دیکھ کر حیرت آمیز لہجے میں شہریار سے کہا "صبر و ضبط کی تمہاری یہ ظاہری کوشش عالم آب و گل سے تمہارے تعلق کو ہرگز نہیں توڑ سکتی ہے" یہ سن کر شہریار نے قمر کی ہنسی اڑاتے ہوئے کہا کہ اس کے ان کلمات سے جسم پرستی کی بو آتی ہے اور کارگہ حیات میں جسم ایک بے حقیقت اور حقیر شئے ہے۔ انسان اگر بلندی اور عروج کا طالب ہو تو اسے اشیاء کے قالب سے تعلق کو توڑنا ہوگا، شہریار کے ان خیالات پر شہرزاد نے بڑے خوب صورت انداز میں یہ کہہ کر تبصرہ کیا کہ "شہریار ایک ایسا بدنصیب انسان ہے جو تلاش حقیقت کی لگن میں زمین و آسمان کے درمیان معلق ہو کر رہ گیا ہے وہ خود کو ایک طرف زمین سے مربوط نہیں سمجھتا اور دوسری طرف آسمان نے اس پر اپنے اسرار و رموز کے دروازے ابھی تک وا نہیں کئے ہیں۔

تحیر و تجسس، تلاش و جستجو کا یہ مرحلہ ہر اس شخص کا مقدر ہے جو ایمان بالغیب کا منکر ہو اور جسے فطرت کی جانب سے ودیعت کردہ صلاحیتوں کے بارے میں غلط اندازہ ہو اور جو ہر بات کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتا ہو۔ توفیق کا نظریہ اس دور کی پیداوار ہے جب وہ قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لیے پیرس میں مقیم تھے قیام پیرس کے دوران انھوں نے محسوس کیا کہ مغربی ممالک دنیاوی میدان میں اپنی تمام تر ترقی کے باوجود بعض انتہائی بنیادی اخلاقی اور روحانی اقدار سے

تہی دامن ہیں ایسا نہیں ہے کہ توفیق اپنے اس احساس میں تنِ تنہا ہوں، مغربی دنیا میں ایسے مفکروں اور دانشوروں کی تعداد اچھی خاصی ہے جو مادی ترقیات سے پیدا شدہ ذہنی اور فکری بحران کو عالمِ انسانیت کے لیے مہلک اور خطرناک تصور کرتے ہیں، مثلاً ٹائن بار بار یہ کہتا ہے کہ موجودہ نسل کا المیہ یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی کو انسانیت سے تہی دامن کر لیا ہے نیز اس نے خود کو ان خصائص و امتیازات سے دور کر لیا ہے جو اس کو دین و دنیا کی سعادتوں سے بہرہ ور کرتی ہیں۔

توفیق نے مغربی تہذیب و تمدن کو قریب سے دیکھا تھا اور انھوں نے ان ذہنی الجھنوں کا گہرائی سے جائزہ لیا تھا جن سے یورپی معاشرہ صنعتی انقلاب کے بعد دوچار ہوا تھا۔ "عصفور من الشرق" نامی ناول میں انھوں نے پیرس میں مقیم ایک روسی مزدور کے توسط سے ان مسائل پر روشنی ڈالی ہے جو مغربی دانشوروں کو جنگِ عظیم اول کے نتیجے میں درپیش تھے اور جن سے توفیق کے ذہن و دماغ نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ ان کی چھاپ ان کے متعدد ڈراموں اور ناولوں میں ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے۔ مثلاً سلیمان الحکیم نامی ڈرامے میں داہش کا کردار ایٹم کی ایجاد سے انسانیت کو لاحق خطرات کا پیکر ہے۔ اسی طرح زیرِ نظر ڈرامہ میں جہاں شہریار کا کردار جدید دور کے انسان کی ذہنی الجھنوں کا آئینہ دار ہے وہیں انھیں الجھنوں کو اجاگر کرنے کے لیے توفیق نے شہرزاد کو وجود کا پیراہن بخشا ہے تاہم انھوں نے ساتھ ہی ساتھ عورت ذات کی نفسیات پر بھی بڑے خوب صورت پیرایہ میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

شہرزاد کے کردار میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس میں تین مختلف رویوں کو پیش کیا گیا ہے ایک طرف اگر اسے دانش مندی اور فرزانگی کا مجسمہ قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف وہ تجلیاتِ حق کا مظہر ہے اور تیسری طرف وہ حسن و جمال اور نزاکت کا

کے دائرہ اختیار سے باہر ہو اور اس سرائے خانی میں اجسام کی حقیقت محض برتن کی ہے جس میں کچھ وقت کے لیے کوئی چیز رکھ دی جاتی ہے۔ اس کے نقطۂ نظر کی اس تبدیلی کا اظہار یہاں اس وقت ہوتا ہے جب وہ وطن واپس آکر حبشی غلام کو شہرزاد سے قریب پانے کے باوجود نہ تو اسے قتل کرنے کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی شہرزاد کو جلاد کے حوالے کرتا ہے، وزیر قمر جسے شہرزاد سے پرستش کی حد تک لگاؤ تھا، نے اس تبدیلی کو دیکھ کر حیرت آمیز لہجے میں شہریار سے کہا صبر و ضبط کی تمہاری یہ ظاہری کوشش عالم آب و گل سے تمہارے تعلق کو ہرگز نہیں توڑ سکتی ہے" یہ سن کر شہریار نے قمر کی ہنسی اڑاتے ہوئے کہا کہ اس کے ان کلمات سے جسم پرستی کی بو آتی ہے اور کارگہ حیات میں جسم ایک بے حقیقت اور حقیر شئے ہے۔ انسان اگر بلندی اور عروج کا طالب ہو تو اسے اشیاء کے قالب سے تعلق کو توڑنا ہوگا، شہریار کے ان خیالات پر شہرزاد نے بڑے خوب صورت انداز میں یہ کہہ کر تبصرہ کیا کہ "شہریار ایک ایسا بد نصیب انسان ہے جو تلاش حقیقت کی لگن میں زمین و آسمان کے درمیان معلق ہو کر رہ گیا ہے وہ خود کو ایک طرف زمین سے مربوط نہیں سمجھتا اور دوسری طرف آسمان نے اس پر اپنے اسرار و رموز کے دروازے ابھی تک وا نہیں کیے ہیں۔

تحیر و تجسس، تلاش و جستجو کا یہ مرحلہ ہر اس شخص کا مقدر ہے جو ایمان بالغیب کا منکر ہے اور جسے فطرت کی جانب سے ودیعت کردہ صلاحیتوں کے بارے میں غلط اندازہ ہو اور جو ہر بات کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتا ہے۔ توفیق کا نظریہ اس دور کی پیداوار ہے جب وہ قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لیے پیرس میں مقیم تھے قیام پیرس کے دوران انھوں نے محسوس کیا کہ مغربی ممالک، دنیاوی میدان میں اپنی تمام تر ترقی کے باوجود بعض انتہائی بنیادی اخلاقی اور روحانی اقدار سے

تہی دامن ہیں ایسا نہیں ہے کہ توفیق اپنے اس احساس میں تن تنہا ہوں۔ مغربی دنیا میں ایسے مفکروں اور دانشوروں کی تعداد اچھی خاصی ہے جو مادی ترقیات سے پیدا شدہ ذہنی اور فکری بحران کو عالم انسانیت کے لیے مہلک اور خطرناک تصور کرتے ہیں۔ مثلاً ٹارٹر بار بار کہتا ہے کہ موجودہ نسل کا المیہ یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی کو انسانیت سے تہی دامن کر لیا ہے نیز اس نے خود کو ان خصائص و امتیازات سے دور کر لیا ہے جو اس کو دین و دنیا کی سعادتوں سے بہرہ ور کرتی ہیں۔

توفیق نے مغربی تہذیب و تمدن کو قریب سے دیکھا تھا اور انھوں نے ان ذہنی الجھنوں کا گہرائی سے جائزہ لیا تھا جن سے یورپی معاشرہ صنعتی انقلاب کے بعد دوچار ہوا تھا۔ "عصفور من الشرق" نامی ناول میں انھوں نے پیرس میں مقیم ایک روسی مزدور کے توسط سے ان مسائل پر روشنی ڈالی ہے جو مغربی دانشوروں کو جنگ عظیم اول کے نتیجے میں درپیش تھے اور جن سے توفیق کے ذہن و دماغ نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ ان کی چھاپ ان کے متعدد ڈراموں اور ناولوں میں ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے۔ مثلاً سلیمان الحکیم نامی ڈرامے میں داہش کا کردار اٹیم کی ایجاد سے انسانیت کو لاحق خطرات کا پیکر ہے۔ اسی طرح زیر نظر ڈراما میں جہاں شہریار کا کردار جدید دور کے انسان کی ذہنی الجھنوں کا آئینہ دار ہے وہیں انھیں الجھنوں کو اجاگر کرنے کے لیے توفیق نے شہرزاد کو وجود کا پیراہن بخشا ہے تاہم انھوں نے ساتھ ہی ساتھ عورت ذات کی نفسیات پر بھی بڑے خوب صورت پیرایہ میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

شہرزاد کے کردار میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس میں تین مختلف رویوں کو پیش کیا گیا ہے ایک طرف اگر اسے دانش مندی اور فرزانگی کا مجسمہ قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف وہ تجلیات حق کا مظہر ہے اور تیسری طرف وہ حسن و جمال اور نزاکت کا

بے مثال نمونہ ہے۔ ناقدین کا عام خیال ہے کہ شہرزاد کی سہ رخی شخصیت کے ذریعہ توفیق نے دراصل اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فطرت اپنی ہئیت و وجود میں شہرزاد کی طرح بوقلمون اور رنگارنگ ہے۔ اس میں ہر فرد کے مطابق دیدہ زیبی اور ذہنی آسودگی کے امکانات موجود ہیں بالفاظ دیگر فطرت کو دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کے سلسلے میں انسان کی مخصوص ذہنی ساخت اور اس کے مخصوص ماحول کا سب سے زیادہ عمل دخل ہوتا ہے بنابریں کوئی شخص اپنے مخصوص طرز فکر کی روشنی میں فطرت اور مظاہر فطرت کو دانشوری کا اعجاز قرار دیتا ہے تو کوئی اسے روحانی اور ماورائی قوتوں کا کھیل تصور کرتا ہے جبکہ لوگوں کی بڑی تعداد فطرت اور اس کے حسن وجمال کو محض ذہنی اور جسمانی آسودگی کا ایک ذریعہ خیال کرتی ہے اگر ہم ان تمام پہلوؤں پر گہرائی سے نظر ڈالیں تو ہمیں اس حقیقت تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی کہ فطرت کے تعلق سے انسانی فکر زمانہ قدیم سے مذکورہ تین بڑے خانوں میں منقسم ہے اور ان میں آج تک کسی اور دوسرے خانہ کا اضافہ ممکن نہیں ہو سکا ہے۔

یہاں شہرزاد کے بارے میں اس اعتراض کا ذکر بے محل نہ ہوگا جس کی بنیاد پر توفیق الحکیم کو حلقہ نسواں میں عورتوں کا دشمن سمجھا جاتا ہے۔ یہ اعتراض درحقیقت کا کہنا ہے توفیق نے ایک جانب تو شہرزاد کو بادشاہ شہریار اور وزیر قمر کی نگاہوں میں ایک روحانی اور آفاقی ہستی بنا کر پیش کیا ہے اور دوسری جانب حبشی غلام کے ساتھ اس کے تعلقات و روابط کی بنا پر اس کو "اسفل سافلین" کے درجہ تک پہنچا دیا ہے اور یوں ایک ہی کردار میں اونچ نیچ کی عجیب بے ہنگم سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ علاوہ ازیں حبشی غلام میں شہرزاد کی دلچسپی عورتوں کی بیجا ہوس پرستی کی مظہر ہے اس ہوس پرستی کی نامعقولیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں شہرزاد ملکہ ہونے کے ساتھ ساتھ عقل و دانائی کا پیکر ہے۔ شاہ و کنیز اور ملکہ و غلام کے اتفاقی ارتباط سے

ہماری تاریخ خالی نہیں مگر شہرزاد اور حبشی غلام کے مابین جس طرح کے تعلق کو دکھلانے
کی کوشش کی گئی ہو اسے ہماری عقل بآسانی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔
مذکورہ اعتراض کو اگر ہم سرسری طور پر دیکھیں تو ہمارے لیے اس کی اہمیت
سے انکار مشکل ہو جاتا ہو اور ہم یہ تاثر لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ توفیق عورتوں
کو ہوسناکی اور نفس پرستی کا مجسمہ بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں، تاہم جب یہ حقیقت
ہمارے سامنے آتی ہو کہ ڈراما نگار نے شہرزاد کو محض علامت کے طور پر استعمال کیا ہو
اور اس سے اس کی مراد فطرت ہو نہ کہ عورت ذات تو مذکورہ اعتراض بے وزن
اور بے جان ہو جاتا ہو اور ہمیں توفیق کی بلندیٔ فکر کا قائل ہونا پڑتا ہو۔ ڈاکٹر
انیس مقدسی شہرزاد کے اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"توفیق الحکیم نے اس داستان الف لیلۃ ولیلۃ پر اپنے ڈراما کی
بنیاد رکھی ہو لیکن یہ اس لیے نہیں کہ وہ ہمارے سامنے کوئی مشہور کہانی
پیش کریں، بلکہ اس لیے کہ اس داستان کو ایک فلسفیانہ خیال کی علامت
بنائیں۔ چنانچہ شہرزاد ان کے نزدیک فطرت اور زندگی کا رمز ہو اور
بادشاہ (شہریار) اس نفس کی علامت ہو جو پہلے پہل زندگی میں جسمانی
لذت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا پھر تجربہ اور علم کی راہ میں بتدریج آگے
بڑھتا ہو اور غور و فکر کے ذریعہ ذہنی بلندی حاصل کرتا ہو یہاں تک کہ عظیم
حقیقت تک اس کو رسائی حاصل ہو جاتی ہو۔"

ان کلمات کی روشنی میں ہمیں توفیق الحکیم کے اس ذہنی اور فکری رویہ کا بخوبی
احساس ہو جانا چاہیے جس کی تار و پود سے شہرزاد کی شخصیت کی تشکیل ہوئی ہو گویا
زیر نظر ڈراما میں شہرزاد ایک فلسفیانہ خیال کی وضاحت کے لیے مجرد رمز کی حیثیت رکھتی
ہو اس کی ثانوی حیثیت جس کا تعلق اس کے عورت ہونے سے ہو محض اتفاقی ہے

اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی توفیق کو عورت دشمن قرار دیتا ہے تو ہم اس کے بارے میں یہی رائے قائم کریں گے کہ وہ ابھی شعور کی اس منزل پر ہے جہاں سے شہریار نے تلاش علم و معرفت کا آغاز کیا تھا۔

آخر میں اس امر کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ موجودہ صدی میں متعدد قلم کاروں نے اپنی تخلیقات کے لیے الف لیلۃ ولیلۃ سے موضوع و مواد فراہم کیا ہے ایسے صاحبان قلم میں عزیز اباظہ، طٰہٰ حسین، علی احمد باکثیر، نعمان عاشور، فاروق سعد فتحی غانم، سید قطب اور زکی نجیب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان ادبا نے الف لیلۃ ولیلۃ سے متاثر ہو کر درج ذیل تصنیفات کو علی الترتیب وجود بخشا: شہریار، احلام شہرزاد، سر شہرزاد، لعبۃ الزمن، دعوۃ شہریار، شہرزاد و اصحاب المدینۃ المسحورۃ، اللیلۃ الثانیۃ بعد الالف، مذکورہ تمام کتابیں اپنے اپنے مصنفین کے مخصوص خیالات و نظریات کی حامل ہیں، تاہم توفیق الحکیم ان تمام لوگوں میں اپنے منفرد افکار و خیالات اور اپنے اچھوتے اور دل پذیر اسلوب کے سبب ممتاز اور نمایاں ہیں اس امتیاز کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ توفیق نے قدیم ادبی سرمایے کی اساس پر ایک ایسی حقیقت کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے جس کا تعلق ہر زمانے ہر خطہ اور ہر فرد بشر سے ہے اور جس کے سمجھنے سمجھانے میں فلسفیانہ موشگافیاں انسانی دماغ کو اکثر و بیشتر مزید الجھنوں کا شکار بنا دیتی ہیں لیکن توفیق الحکیم کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے زیر نظر ڈراما میں بعض انتہائی پیچیدہ مسائل کو بڑی خوب صورتی سے مکالمات کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اظہار خیال کے لیے الفاظ کے انتخاب میں بڑی سوجھ بوجھ سے کام لیا ہے اور حتی الامکان ایسی تعبیرات سے گریز کیا ہے جو کلام کو مبہم اور پیچیدہ بنا دیتی ہیں۔ ڈاکٹر مندور مختلف ڈراما نگاروں کے ڈراموں کا شہرزاد سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

جب ہم ان ڈراموں کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے
کہ باکثیر کے ڈراما میں زیادہ سرعت و حرکت اور واقعات کے
تئیں زیادہ شوق و دلچسپی کے اسباب پائے جاتے ہیں رہا عزیز
اباظہ کا ڈراما تو اس سے ذہن و دماغ بہت کم مطمئن ہو پاتے
ہیں لیکن جہاں تک رفیق الحکیم کے ڈراما کا تعلق ہے تو وہ افکار
و نظریات نیز ذہنی تعبیرات میں سب سے بہتر ہے اسی طرح وہ
شاعرانہ فضا کے اعتبار سے دیگر تمام ڈراموں پر سبقت لے جانے والا ہے۔

شہرزاد

پہلا منظر

پتھریلا راستہ، تنہا اور سنسان مکان جس کے دروازے پر ایک چراغ روشن ہے، دور سے آتے ہوئے موسیقی کے نغموں کو باد نسیم تاریک رات کے دامن میں بکھیر رہی ہے۔

جادوگر:۔ (مکان کی طرف ایک کنیز کی پیشوائی کرتے ہوئے) وہ کالا کلوٹا غلام تم سے کیا کہہ رہا تھا؟

کنیز۔ وہ مجھ سے اہل شہر کی خوشی اور مسرت کی وجہ پوچھ رہا تھا میں نے اس سے کہا کہ یہ خوشی و مسرت درحقیقت وہ جشن ہے جسے کنیزیں ملکہ شہرزاد کے اعزاز میں منا رہی ہیں۔

جادوگر:۔ یہ تم پر کپکپی کیوں طاری ہے؟

کنیز:۔ (سرگوشی کے انداز میں) یونہی

جادوگر:۔ کیا میں نے تمہیں اس بوڑھے غلام کی قربت سے ہوشیار نہیں کیا تھا؟ اُس کی آنکھوں سے بدکاری جھلکتی ہے۔

کنیز:۔ (سرگوشی کرتے ہوئے) بوڑھا تو نہیں ہے۔

جادوگر:۔ پاگلوں کی طرح تم یہ کیا بڑبڑا رہی ہو؟ چلو قدم بڑھاؤ اور اندر چلیں شاید اس بوڑھے کی بدصورتی سے تمہاری طبیعت بگڑ گئی ہو۔

کنیز:۔ (سرگوشی کرتے ہوئے) بدصورت تو نہیں ہو۔

"دونوں مکان کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ غلام کنیز پر نگاہیں جمائے ہوئے اسٹیج پر آتا ہے۔"

غلام:۔ واہ! کیا خوب صورت لڑکی ہے! اس کا جسم بہترین جائے سکون ہے!

"پیچھے سے آواز آتی ہے۔"

جائے سکون؟ شیطان کے لیے؟ یا تلوار کے لیے؟

غلام:۔ (آواز کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے) یہ تم ہو؟

جلاد:۔ (سامنے آکر) پہچان لیا؟

غلام:۔ جلاد! تمہاری تلوار کہاں گئی؟

جلاد:۔ میں نے اس کے بدلے میں خواب خرید لیے

غلام:۔ اچھا! سمجھ گیا

جلاد:۔ کیا سمجھے؟

غلام:۔ کل رات ابو میسور مارکیٹ میں تمہاری اکڑ خوں اور دریا دلی کا راز، اگربتی کا دھواں میرے اس خیال کا گواہ ہے۔

جلاد:۔ وہ تو پردیسیوں اور مہمانوں کا حق تھا

غلام:۔ اپنے آقا اور مالک کے حق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

جلاد:۔ میں اب جلاد نہیں رہ گیا۔

غلام:۔ اچھا؟

جلاد:۔ اچھا کیا؟

غلام:۔ کیا آج "جشن دوشیزگان" نہیں ہے؟

جلاد:۔ ہے تو اسی لیے تو بادشاہ کو اب جلاد کی ضرورت نہیں۔

غلام:۔ (تعجب سے) شہرزاد کا جسم کتنا پیارا ہے!

جلاد:۔ ہرگز نہیں شہرزاد کی محبت نے بادشاہ کو کنواریوں کے قتل سے نہیں روکا ہے

غلام:۔ (کان لگاتے ہوئے) سنو! کتنا پیارا اور کتنا انوکھا اور نرالا گانا ہے! یہ کس کا گھر ہے؟

جلاد:۔ (خوش ہو کر) جادوگر کا، اسی گھر میں بادشاہ چھپ کر جادوگر سے تنہائی میں ملنے کے لیے آتا ہے۔

غلام:۔ جادوگر؟ وہی جو لڑکی کا باپ ہے؟

جلاد:۔ ہاں، لوگ تو یہی کہتے ہیں

غلام:۔ (گانے کی طرف متوجہ ہو کر مسکراتا ہے)
کوئی چڑیا چھپائی نہیں کہ تمہاری چھری سے بچ گئی

جلاد:۔ (واپس جانے کا ارادہ کرتا ہے) میرے ہاتھ سے جو چیز بھی بچ نکلی وہ شیطان کے جنگل میں چلی گئی۔

غلام:۔ تھوڑا ٹھہرو! میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں کسی کام کی جلدی ہے۔

جلاد:۔ کیوں نہیں؟ میری چھٹی حس کسی سرخ چیز کا پتہ دے رہی ہے۔

غلام:۔ (مذاق کرتے ہوئے) نہیں وہ کالی چیز ہے، تمہاری حس رنگ کے سلسلے میں دھوکا کھا رہی ہے۔

"اچانک گھر کی کھڑکی سے عجیب و غریب اور لمبی آہ و کراہ کی آواز بلند ہوتی ہے"

جلاد:۔ (سرگوشی کے انداز میں) کچھ تم نے سُنا؟

غلام:۔ وہ کیا؟
جلاد:۔ جیسے کہیں کوئی الّو بول رہا ہو۔
غلام:۔ (اپنے گرد و پیش اچھی طرح نظریں ڈالتے ہوئے) کہاں؟ مجھے تو کہیں کوئی اُلّو نظر نہیں آرہا ہے۔ بدبخت جلاد! دنیا کو اپنی نحوست سے نہ بھر۔
جلاد:۔ (واپس جانے کا ارادہ کرتے ہوئے) بہر اپن مبارک ہو! خدا کرے کہ تم یونہی کچھ نہ سنو۔
غلام:۔ جا کہاں رہی ہو؟ تھوڑی دیر ٹھہرو۔ آؤ خوبصورت شہرزاد کے بارے میں کچھ باتیں کریں۔
جلاد:۔ کل تم نے شہرزاد کے بارے میں جو کچھ جان لیا ہے اس سے زیادہ تم اور کیا جاننا چاہتے ہو؟ ایسا لگتا ہے کہ میں شہر میں تمہارے ساتھ صرف اسی کی خاطر آیا ہوں۔
غلام:۔ (دفعتہً چیخ کر دور اشارہ کرتا ہے) جلاد! دیکھ! وہاں پہ یہ کیسی روشنی پھوٹ رہی ہے جیسے وہ روشنی کا کوئی سرچشمہ ہو۔
جلاد:۔ (روشنی کی سمت دیکھتے ہوئے) وہ بادشاہ کا کمرہ ہے۔
غلام:۔ اور ملکہ؟
جلاد:۔ نہیں! ملکہ کا کمرہ محل کے دوسری جانب ہے۔
غلام:۔ تعجب ہے! بادشاہ کو اب ملکہ کی ضرورت نہیں رہی کہ وہ اسے کہانیاں سناتی رہے یہاں تک کہ صبح ہو جائے اور وہ اچانک اپنی پراسرار گفتگو کو روک دے؟
جلاد:۔ (خوش ہو کر) بادشاہ پاگل ہو گیا ہے۔
غلام:۔ کس کی محبت میں؟

جلاد:۔ نہیں! واقعی پاگل ہو گیا ہے۔
غلام:۔ یہ کیسے معلوم ہوا؟
جلاد:۔ لوگ کہتے ہیں۔ آؤ دیکھو ...!
غلام:۔ کیا؟
جلاد:۔ (غلام کو ساتھ لے کر آگے آگے چلتا ہے) اندھیری بالکنی میں غور سے دیکھو...!
کیا دیکھ رہے ہو؟
غلام:۔ کچھ بھی تو نہیں۔
جلاد:۔ بالکنی کے بائیں ستون کے پاس دیکھو
غلام:۔ ہاں، ہاں کسی عمارت کے کھمبے جیسا ایک جامد سایہ نظر آرہا ہے۔
جلاد:۔ وہی بادشاہ ہے۔
غلام:۔ (غور سے گھورتا ہے) وہ کیوں ستارہ پرستوں کی طرح وہ اپنی نگاہیں
آسمان میں بڑی دیر سے جمائے ہوئے کھڑا ہے۔
جلاد:۔ وہ ہر رات اس گھڑی یونہی کھڑا رہتا ہے اور کبھی کبھی تو ساری رات یونہی
جیسا تم دیکھ رہے ہو جاگ کر گذار دیتا ہے۔
غلام:۔ تعجب ہے! آخر بات کیا ہے؟
جلاد:۔ میں کیا بتاؤں۔
غلام:۔ کیا کوئی اس راز سے پردہ نہیں اٹھا سکتا؟
جلاد:۔ کوئی نہیں۔
غلام:۔ اسے کب سے ایسا ہو گیا ہے؟
جلاد:۔ مجھے نہیں معلوم میرا خیال ہے کہ آج سے پہلے انتہائی مشکل اور نازک لمحات
میں بھی اس کی ایسی حالت نہیں ہوئی ہوگی۔ ایک دن اس نے اچانک اپنی

پہلی بیوی کو ایک ذلیل غلام کی بانہوں میں کیا دیکھ لیا کہ ان دونوں کو قتل
کرنے کے بعد یہ قسم کھالی کہ وہ ہر رات ایک کنواری دوشیزہ کے جسم سے
جی بھر کر مزا اٹھائے گا اور پھر صبح تڑکے اسے قتل کر دا دے گا۔

غلام:۔ تمہارے خیال میں اسے اور کیا کرنا چاہیے تھا؟
جلاد:۔ کم از کم اس پہ پاگل پن اور جنون کا دورہ تو نہیں پڑنا چاہیے تھا۔
غلام:۔ ٹھیک کہا۔ لیکن اس کے اس طرح رات گزارنے کا کیا راز ہے؟
جلاد:۔ دیکھو ...... بالکنی سے چلا گیا
غلام:۔ ہاں، ہاں، روشنی بھی بجھ گئی۔
جلاد:۔ شاید وہ جادوگر کے پاس جا رہا ہے۔
غلام:۔ یہاں آ رہا ہے؟ وہ بھی اس گھڑی؟
"بجلی کی سی تیزی کے ساتھ غلام چھپ جاتا ہے"
جلاد:۔ (اسے تلاش کرتے ہوئے) کہاں گئے؟
جادوگر:۔ (بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے گھر سے نکلتے ہوئے اچانک جلاد کو دیکھ کر
کہتا ہے) تم کون ہو؟
جلاد:۔ خادم
جادوگر:۔ (دروازے پر چراغ کو بجھاتے ہوئے) تف ہے! بھیک منگے! بدکار!
یہاں سے دور ہو!
جلاد:۔ یہ چراغ کیوں بجھا رہے ہو؟
جادوگر:۔ تم سے کیا مطلب؟ اس گھڑی اور اس جگہ تم کیسے نظر آ رہے ہو؟
جلاد:۔ تم نے ٹھیک ہی کہا۔ لو میں جا رہا ہوں۔
"جلاد چلا جاتا ہے، جادوگر کی نگاہیں اس کا اس وقت تک

پیچھا کرتی ہیں جب تک کہ اسے اس کے چلے جانے کا یقین
نہیں ہو جاتا، جلاد پھر دروازہ بند کر کے تیزی کے ساتھ
دوسری جانب غائب ہو جاتا ہے۔"

غلام:۔ (سامنے آکر) اس کا بُرا ہو جس نے اسے رات میں یہاں آنے کا حکم دیا ہے
"آواز" (گھر کی کھڑکی سے کراہنے کی آواز بلند ہوتی ہے)
آہ.....

غلام:۔ (ڈر کر) تم کون ہو؟

آواز:۔ (کھڑکی سے) ایک انسان جس کی نظروں میں تمہاری نگاہوں کی چمک ہو۔

غلام:۔ کیا تمہاری نظریں مجھے پہچانتی ہیں؟

آواز: ہاں جانتی ہیں کہ تم ضیائے آفتاب کے شوق میں مقررہ وقت سے پہلے آگئے ہو۔

غلام:۔ کیا اس کے دیدار کا وقت نہیں ہوا؟

آواز:۔ اگر زندگی پیاری ہے تو تاریکی میں بھاگ جاؤ، صبح آنے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جاؤ۔

غلام:۔ وہ کیوں؟

آواز:۔ بادشاہ ابھی بھی ایک بچے کی طرح بے وقوف ہے ابھی وہ اتنا باشعور نہیں ہوا ہے کہ کسی سیاہ فام حبشی کو میرے پاس دیکھ کر اسے قتل نہ کر دے۔

غلام:۔ تو میری زندگی خطرے میں ہے؟

دوشیزہ:۔ اس سے پہلے کہ بادشاہ کی نظریں تم پر پڑیں بھاگ جاؤ۔ ابھی تک بادشاہ کو یہ یاد ہے کہ اس نے ایک دن اپنی بیوی کی آغوش میں کسی حبشی کو دیکھا تھا

اپنی جان بچاؤ! چھپ جاؤ، غلام! تاریکی میں پلٹ جاؤ ....!

غلام :۔ کوئی وعدہ۔

دوشیزہ :۔ جلدی کرو .....

غلام :۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے ایک نگاہ دیکھ لوں۔

دوشیزہ :۔ کیا تم اس کی خاطر آئے ہو؟

غلام :۔ ہاں! یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ ہے کون؟

دوشیزہ :۔ وہ ہر چیز ہے لیکن اسے اپنے بارے میں کچھ نہیں پتہ

غلام :۔ تم بھی نہیں جانتیں؟

دوشیزہ :۔ میں بھی نہیں جانتی لوگ اس کے بارے میں مجھ سے اکثر پوچھتے ہیں آخر کیا جواب دوں، میں بخدا نہیں جانتی اب لوگ میرے کٹے سر سے پوچھیں تو شاید وہ جواب دے، یہاں سے چلے جاؤ....

غلام :۔ کوئی دوسری بات؟

دوشیزہ :۔ کچھ نہیں چلے جاؤ! .... میں نے تم سے کہہ دیا کہ چلے جاؤ ....

غلام :۔ اس گھر میں کیا تم اکیلی ہو؟

دوشیزہ :۔ میرے پاس ایک ایسا آدمی ہے جو چالیس دن تک تلھن کے تیل سے بھرے ہوئے مٹکے میں پڑا رہا اور جسے جادوگر صرف اخروٹ اور انجیر کھلاتا رہا ہے، اب تو اس کا سارا گوشت گل گیا ہے صرف نسیں اور سر کا کچھ حصہ باقی ہے، آج کی رات جادوگر اسے مٹکے سے نکال کر ہوا میں سوکھنے کے لیے چھوڑ دے گا۔

غلام :۔ جادوگر نے یہ سب کیوں کیا؟

دوشیزہ :۔ تاکہ اس کے بعد وہ ہر سوال کا جواب دے سکے۔

غلام :۔ کس کو جواب دے سکے ؟
دوشیزہ :۔ بادشاہ کو
غلام :۔ بادشاہ کیا جاننا چاہتا ہے ... ؟
دوشیزہ :۔ غلام ! یہاں سے بھاگ جا، اس جگہ سے دور ہو جا، وہ سب چراغ بجھانے کے لیے آرہے ہیں۔ ... !
غلام :۔ (خوف و دکھ کے ساتھ) چراغ ؟ کیا اسے تمھارے باپ نے نہیں بجھا دیا ؟
(دروازے پر لٹکے چراغ کی طرف اشارہ کرتا ہے)
دوشیزہ :۔ (عجیب و غریب طرح سے آہ کھینچتے ہوئے) آہ .....
غلام :۔ (کانپ اٹھتا ہے) بار بار یہ منحوس آواز کیوں نکالتی ہو ؟
دوشیزہ :۔ اگر کبھی تاریکی میں تم پر برے بادل چکر لگائیں تو تم دیوانی زاہدہ کو یاد کر لینا ! ....
غلام :۔ زاہدہ ؟ تمھارا نام زاہدہ ہے ؟
دوشیزہ :۔ چلے جاؤ ....
غلام :۔ (آتے ہوئے سایے کو دیکھ کر آہستہ سے کہتا ہے) کون آرہا ہے ؟
(تیزی کے ساتھ غلام اوٹ میں چلا جاتا ہے
دو آدمیوں کے سایے نمودار ہوتے ہیں)
جادوگر :۔ میرے آقا ! آج کی رات جی گھبرانے والی اور دل کو پریشان کرنے والی ہے
میرے حضور ! اپنی گھبراہٹ پر قابو رکھیے ! ابکی بار ہم اس چیز کو جاننے میں کامیاب ہو جائیں گے جو اب تک ہم سے اوجھل رہی۔
بادشاہ :۔ نکلتے ہوئے ہمیں کسی نے دیکھا تو نہیں .... ؟
جادوگر :۔ میرے آقا ! وزیر کے سوا مجھے کسی کا ڈر نہیں۔

KASHMIR UNIVERSITY

بادشاہ :۔ قمر؟ کیا قمر نے ہمیں دیکھ لیا؟ کیا قمر کی نظر ہم پر پڑ گئی؟

جادوگر :۔ (ڈر کر) میرے آقا....

بادشاہ :۔ کیا ہرج ہے؟ اگر قمر ہمیں یہاں دیکھ کر اسے بتلا دے تو ہمارا کیا نقصان ہوگا، وہ جو چاہے اس سے جا کر کہہ دے۔ وہ آخر کون ہے؟ تم نے کچھ جانا کہ نہیں؟!

جادوگر :۔ میرے آقا! تھوڑا صبر کیجیے!

بادشاہ :۔ میرے لیے یہ معمہ حل کر دو۔

(دونوں گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے ہیں ایک سمت سے جلاد اور دوسری سمت سے غلام سامنے آتا ہے اور دونوں تاریکی میں اچانک ایک دوسرے سے ملتے ہیں)

جلاد :۔ مجھے ڈرا دیا! یہ تم ہو....؟

غلام :۔ کیوں پلٹ آئے؟

جلاد :۔ تمھیں تلاش کرنے کی غرض سے، تاکہ ہم دونوں ساتھ ساتھ خان ابی میسور جائیں۔ تمھارا کیا خیال ہے کہ میں کبھی کسی کی صحبت سے بے نیاز ہو سکتا ہوں؟ آج کی رات بھی میں تمھیں بلانے آیا ہوں۔

غلام :۔ اگر بادشاہ تمھاری تلوار کے بارے میں پوچھ بیٹھے تو؟

جلاد :۔ وہ ہرگز نہیں پوچھے گا۔

غلام :۔ جلاد! سنو، تمھارا اندازہ صحیح نکلا۔

جلاد :۔ کون سا اندازہ؟

غلام :۔ کیا تم نے کسی سرخ چیز کے بارے میں نہیں کہا تھا؟ آج کی رات ایک سر کو کچلا جائے گا

جلاد :- کس کا سر ؟

غلام :- (آہستہ سے) وزیر کا

جلاد :- قمر ؟ دنیا میں قمر وزیر کے سر سے زیادہ مامون اور محفوظ سر کسی کا نہیں ہے!

غلام :- (تعجب سے) وہ کیسے ؟

جلاد :- بادشاہ ہر چیز کی جرأت کر سکتا ہے لیکن قمر کے سر کو چھونے کی اس کے اندر ہمت نہیں ہو سکتی ۔

غلام :- تعجب ہے ..... !

جلاد :- چھوڑو، آؤ مہکتے ہوئے دھوپ کا مزا لیں۔ تلواروں اور سروں کا تذکرہ نہ چھیڑو ! کون ایسا جلاد ہو گا جو اس تاریکی میں کسی کا سر کچلے گا ۔

آواز :- (لمبی اور کھی خوفناک قسمت کر اد جیسے وہ قبر کی گہرائیوں سے آرہی ہو ...) آہ ....

غلام :- (خوف زدہ ہو کر) تم نے کچھ سنا ؟

جلاد :- وہ کیا ؟

غلام :- تم نے کچھ سنا ہی نہیں ؟

جلاد :- (کپکپانے والے انداز میں) بلاشبہ یہ آواز ایک ایسے شخص کی ہے جو ابھی ابھی خواب دیکھ کر نیند سے بیدار ہوا ہے۔ کیا تاریکی کو محض خواب دیکھنے کے لیے بنایا گیا ہے ؟ آؤ چلیں ..... !

غلام :- (تاریکی میں گھورتے ہوئے) نہیں تھوڑی دیر انتظار کرو ....

جلاد :- (قدرے ڈر کر) غلام ! تمہیں کیا ہو گیا ہے ؟

غلام :- (انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے) میں اندھیرے میں کچھ ... اور .... دیکھ رہا ہوں ۔

جلاد :۔ (کانپتے ہوئے) کیا دیکھ رہی ہو ؟
غلام :۔ (آہستہ سے اشارہ کرتے ہوئے) میں دیکھ رہا ہوں .... وہاں .... مجھے نظر آ رہا ہے ....
جلاد :۔ (خوفزدہ ہو کر) کیا ....
غلام :۔ (دہشت زدہ ہو کر) ہمارا دل .... چکر لگا رہا ہے .... وہاں پہ ....
جلاد :۔ (چپکے سے کہتا ہے) او میرے خدا ! ....
غلام :۔ (سرگوشی کرتے ہوئے) تم نے دیکھا ؟ ....
جلاد :۔ (کانپ کر) ہمیں اس جگہ سے فوراً چل دینا چاہیے .... !

دُوسرا منظر

محل میں؛ ملکہ کا حجلۂ خاص ہو جس کے وسط میں سنگ مر مر
کا ایک حوض ہے۔ . . . . .

وزیر:۔ ملکۂ معظمہ! آپ میری بات کی طرف توجہ نہیں فرما رہی ہیں۔
شہرزاد:۔ (حوض کے پانی میں دیکھتے ہوئے) کیوں نہیں،
وزیر:۔ جیسے میں آپ سے کوئی فضول بات کہہ رہا ہوں۔
شہرزاد:۔ (مسکرا کر) نہیں، ہرگز نہیں،
وزیر:۔ یہ مسکراہٹ میرے خیال کی تائید کرتی ہو۔ اس پر اسرار مسکراہٹ کا مطلب ہنسی یا مذاق یا پھر ہمدردی ہو؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔
شہرزاد:۔ (اس کی طرف دیکھ کر) تم غلطی پہ ہو۔
وزیر:۔ پھر یہ مبہم انداز نظر کیا ہو؟ میری ملکہ! مجھے کیوں نہیں اجازت دیتیں کہ پاگل ہو جاؤں، میں بھی؟
شہرزاد:۔ وہ کیوں؟
وزیر:۔ (ششش و پنج میں) کیونکہ میں . . . . . .
شہرزاد:۔ (جذبات برانگیختہ کر دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ) میں تمھارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔

وزیر :۔ (بے چین ہو کر) ہرگز نہیں ..... ہرگز نہیں ۔ میں یہ نہیں چاہتا ....

شہرزاد :۔ (سرگوشی کی طرح مسحور کر دینے والی آواز میں) اچھا ؟

وزیر :۔ میری ملکہ! آپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں ....

شہرزاد :۔ بے قرار کیوں ہوئے جا رہے ہو ؟

وزیر :۔ میں محض یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کیا ہیں ؟ اور کون ہیں ؟

شہرزاد :۔ تمہیں بھی یہ روگ لگ گیا ہے ؟

وزیر :۔ جی ہاں !

شہرزاد :۔ میں تو تمہیں اس چیز سے بلند سمجھتی تھی ۔

وزیر :۔ میری عقل آپ کے اعمال و افعال کو سمجھنے سے قاصر ہے ۔ آپ نے بادشاہ کو کیوں اس طرح چھوڑ دیا ہے کہ وہ بار بار جادوگر کے گھر جاتا ہے جبکہ آپ کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ وہ وہاں یہ اپنی روح کو تباہ کرنے کے لیے جاتا ہے ۔ کیا میری ملکہ آپ کو یاد نہیں کہ آج "جشن دوشیزگان" ہے جس کا اہتمام کنواری لڑکیاں آپ کے اس راز کے اعزاز میں کرتی ہیں جس کی وجہ سے ان کی جاں بخشی ہوئی اور جس کے سبب بادشاہ ان سے کنارہ کش ہو گیا ... ؟

شہرزاد :۔ (انگڑائی لے کر) میرا جسم خوبصورت ہے ۔ میرا جسم کیا خوبصورت نہیں ہے ؟

وزیر :۔ (بے قرار ہو کر اپنی نگاہیں نیچی کر لیتا ہے) ہرگز نہیں ... ہرگز نہیں ....

شہرزاد :۔ کیا میرے خوبصورت جسم کو تم نہیں دیکھ رہے ہو ؟

وزیر :۔ کیوں نہیں ملکہ ! لیکن میں آپ سے درخواست کرتا ہوں ۔

(وزیر واپس جانے کے لیے مڑتا ہے)

شہرزاد :۔ کہاں جا رہے ہو ؟

وزیر :۔ اپنی خواب گاہ کی طرف، اگر آپ اجازت دیں ۔ رات ڈھل چکی ہے ۔

شہرزاد :- (ادا سے) کیا مجھے تنہا چھوڑ کر چلے جاؤ گے ؟
وزیر :- (زمین پر نگاہیں جمائے ہوئے) میں کنیزوں کو بلا بھیجتا ہوں ....
شہرزاد :- تمہیں ہمیشہ میری بہت سی خواہشوں کا احساس نہیں رہتا۔
وزیر :- (شہرزاد کی طرف بغیر دیکھے ہوئے چلتا ہے) رات بڑی خوشگوار ہے ملکہ !
شہرزاد :- تھوڑی دیر ٹھہرو! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ بادشاہ کہیں واپس آ کر تمہیں یہاں دیکھ نہ لے .... !
وزیر :- آپ تو یہ جانتی ہیں کہ میں خود کو بادشاہ کے غصے کا ضرورت سے زیادہ نشانہ بناتا ہوں۔
شہرزاد :- میری خاطر ؟
وزیر :- اس کی خاطر بھی۔
شہرزاد :- اچھا! تم کس حد تک اسے چاہتے ہو !
وزیر :- اور آپ بھی تو انہیں .... میری ملکہ !
شہرزاد :- اور میں بھی ؟ کیا تم سچ کہتے ہو ؟ میں بھی ؟
وزیر :- (بے قرار ہو کر) ہاں میرا مطلب یہی ہے کہ آپ بھی انہیں بے انتہا چاہتی ہیں،
شہرزاد :- کیا تم ایسا سوچتے ہو ؟
وزیر :- (پر اعتماد لہجے میں) جی ہاں !
شہرزاد :- کس بات سے تم نے یہ اندازہ لگایا کہ میں ان سے بے انتہا پیار کرتی ہوں
وزیر :- (ہلکی ترشی کے ساتھ) محبت کہیں چھپتی بھی ہے ؟
شہرزاد :- تعجب ہے .... ! کیا تمہیں لفظ محبت کا علم ہے ؟
وزیر :- میری ملکہ ......
شہرزاد :- بولو، جواب دو .... !

وزیر:۔ میری ملکہ! مجھے واپس جانے کی اجازت دیجیے۔
شہرزاد:۔ اچھا ٹھیک ہی ہمیں اپنی گذشتہ بات کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔ تمھارے ذہن میں یہ کیسے گمان گذرا کہ میں شہریار سے محبت کرتی ہوں؟ کیا کسی دن تم نے مجھے اس کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا؟
وزیر:۔ (زور دے کر حدت اور تیزی کے ساتھ) آپ نے اس کے ساتھ اس سے بہت کچھ زیادہ کیا ہی۔ آپ نے اسے زندگی دی ہو۔
شہرزاد:۔ (مسکرا کر) کیا وہ مردہ تھا۔
وزیر:۔ مردے سے بھی بدتر تھا۔ بغیر دل کا وہ ایک ڈھانچہ تھا بغیر روح کا وہ ایک لایعنی پیکر تھا۔
شہرزاد:۔ (تبسم ریز ہو کر) تمھارے خیال میں میں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟
وزیر:۔ (مطمئن ہو کر) از سر نو پیدا کیا۔
شہرزاد:۔ (مذاق کے موڈ میں) سات دنوں میں؟
وزیر:۔ (سنجیدہ ہو کر) ایک ہزار ایک راتوں میں
شہرزاد:۔ (مذاق کے موڈ میں) یہ تعداد کچھ زیادہ ہے۔
وزیر:۔ کیا شہرزاد کے قصوں نے اس من موجی اور جنونی کے دل پر وہی اثر نہیں کیا جو انبیا کی کتابوں کا ابتدائے انسانیت پر تھا۔
شہرزاد:۔ (مسکراتی ہو) ؟
وزیر:۔ آپ مسکراتی ہیں؟ میرا مذاق اڑاتی ہیں؟ اچھا کوئی بات نہیں!
شہرزاد:۔ (ہوشیاری اور مکاری سے) قمر! میرا خیال ہی کہ تم میری تعریف میں کچھ زیادہ مبالغہ سے کام لے رہی ہو اور ساتھ ہی ساتھ اپنے دوست کے درجے اور مرتبے کو ضرورت سے زیادہ کم کر رہی ہو۔

وزیر :۔ میں اس کا مرتبہ نہیں گھٹا رہا ہوں۔

شہزاد :۔ (ہوشیاری اور مکاری سے) میرے خیال میں تم اپنے اور بادشاہ کے درمیان پائی جانے والی انوکھی محبت کو بھول چکے ہو۔

وزیر :۔ (قدرے تیزی کے ساتھ) میں کچھ بھی نہیں بھولا ہوں۔

شہزاد :۔ (عیاری اور مکاری سے) اچھا ؟

وزیر :۔ (بے قابو ہو کر) میں کچھ بھی نہیں بھولا ہوں میں تو فقط یہ بتلا رہا تھا کہ آپ بادشاہ سے کیوں کر ایک بلند اور پاکیزہ محبت کا رشتہ رکھتی ہیں۔ آج کے بعد مجھ سے دوبارہ میری اور بادشاہ کی محبت کا ذکر نہ کریے گا میں دھوکا نہیں دے رہا ہوں۔ میں فریب نہیں کر رہا ہوں۔ میں دغا نہیں دے رہا ہوں۔

شہزاد :۔ (پر سکون ہو کر) قمر! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہو ؟

وزیر :۔ (ہوش سنبھالتے ہوئے) میری ملکہ ! معاف کریے گا .... بیشک میں ....

شہزاد :۔ کبھی کبھی تمہیں خود پر قابو نہیں رہ جاتا

وزیر :۔ میرا ارادہ تھا کہ میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ نے بادشاہ کو یکسر بدل دیا ہو، جب سے انھیں آپ کی شناسائی حاصل ہوئی ہو وہ ایک نئے انسان کے روپ میں ڈھل گئے ہیں۔

شہزاد :۔ وہ مجھ سے شناسا ہی کب ہیں،

وزیر :۔ میں نے پہلے ہی آپ سے کتنی بار ذکر کیا ہو کہ بادشاہ معظم آپ کی بدولت میرے لیے ایک چیستان بن گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہو کہ انھوں نے اپنی بصیرت و بصارت میں ایک لامحدود افق تلاش کر لیا ہو۔ جس میں وہ ہمیشہ غور و فکر میں ڈوبے ہوئے کسی چیز کی تلاش میں یا پھر کسی نامعلوم حقیقت کی تفتیش

میں سرگرداں رہتے ہیں.... جب کبھی بھی میں نے ان کی پریشاں ذہنی پہ
ترس کھا کر ان کا راستہ روکا ہے۔ وہ مجھ پہ بے ساختہ ہنس پڑے ہیں۔

شہرزاد:۔ قمر! کیا تم اسے میری عنایت قرار دیتے ہو؟

وزیر:۔ اور عنایت کیسی ہوتی ہے؟ یہ عنایت نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ نے ایک بچے
کو اشیاء کے ساتھ کھلواڑ کرنے سے ہٹا کر اسے اشیاء اور کائنات میں غور و
فکر کرنے کی طرف مائل کر دیا ہے؟

شہرزاد:۔ یہ محض الفاظ ہیں جنھیں تم نے بڑی خوبصورتی سے ڈھالا ہے....!

وزیر:۔ ملکہ! آپ کا مطلب کیا ہے؟ یہ میری تمنا ہے کہ کاش میں کبھی کبھی آپ کے
مفہوم و مدعا کو سمجھ سکتا۔

شہرزاد:۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم ایسی کوشش نہ کرو۔

وزیر:۔ میں کسی چیز کی کوشش نہیں کر رہا ہوں میں تو فقط آپ کی بادشاہ سے محبت
کی تعریف کر رہا ہوں۔

شہرزاد:۔ اور کچھ؟؟

وزیر:۔ جی ہاں!

شہرزاد:۔ کیا تم یونہی مجھ پر بادشاہ کی محبت کا الزام لگاتے رہو گے؟

وزیر:۔ میں الزام نہیں لگا رہا ہوں

شہرزاد:۔ تم کتنے بھولے ہو قمر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ بادشاہ
کی محبت میں تھا؟

وزیر:۔ (قدرے تیزی کے ساتھ) اور پھر کس کی محبت میں؟

شہرزاد:۔ (مسکرا کر) اپنی محبت میں

وزیر:۔ اپنی محبت میں؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟

شہرزاد:۔ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنی زندگی بچانے کا ایک حیلہ اور بہانہ تھا۔

وزیر:۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے بادشاہ کو روحوں کے ساتھ کھلواڑ کرنے سے محض اس لیے روکا تھا کہ وہ آپ کی جان بخش دیں؟

شہرزاد:۔ (تبسم ریز ہوکر) ہاں! کچھ ایسا ہی ہے۔

وزیر:۔ (کچھ سوچنے کے بعد) میں ہرگز یہ بات نہیں مان سکتا کہ یہ سب کچھ محض آپ کی ایک چال تھی کیا آپ کو مستقبل کا اندازہ تھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ مجسم ایک عظیم دل ہیں۔

شہرزاد:۔ (مسکراکر) تم اپنے دل کے آئینے میں میری تصویر دیکھ رہے ہو۔

وزیر:۔ میں حقیقت دیکھ رہا ہوں۔

شہرزاد:۔ (مبہم ادا اور انوکھی مسکراہٹ کے ساتھ) حقیقت!!!

وزیر:۔ آپ مسکراتی ہیں؟

شہرزاد:۔ اگر ایسا نہیں ہے تو آج کی رات میں انھیں کنواری دوشیزہ کا سر کاٹنے کے لیے جادوگر کے گھر جانے ہی کیوں دیتی؟

وزیر:۔ میں نہیں جانتا پھر بھی مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ آپ کو اس غریب لڑکی کے سر کی فکر نہیں ہوگی۔ میں آپ کی حکمت و دانش کو سمجھ نہیں سکتا ہوں اسی لیے میں اکثر پانی کی طرح ان صاف شفاف آنکھوں میں پوشیدہ اسرار و معانی کو پڑھ نہیں پاتا۔

شہرزاد:۔ (ہنس کر) ؟

وزیر:۔ آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟

شہرزاد:۔ سا اسرار و معانی؟ شہریار کا بھلا ہو جس نے تمھیں اپنے بہت سے الفاظ

سکھلا دیئے ہیں

وزیر:۔ جی ہاں! میں نے نہ صرف ان کے اکثر و بیشتر الفاظ چرا لیے ہیں بلکہ ان کے
ان خیالات کو بھی چرا لیا ہو جن کا اظہار بحالت تخلیہ انھوں نے مجھ سے
آپ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کیا ہے

شہزاد:۔ میرے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں؟

وزیر:۔ ان کی اکثر باتوں کو میں سمجھتا نہیں۔

شہزاد:۔ (اٹھتے ہوئے) دور ہو، چالاک لونڈی!

وزیر:۔ مالکن! کیا آپ اپنی خواب گاہ کی طرف جا رہی ہیں؟

شہزاد:۔ شہریار کے آنے سے قبل میں نہیں سو سکوں گی۔

وزیر:۔ (قدرے ترش رو ہو کر) ان کے آنے سے پہلے آپ کی پلکیں بند بھی کیسے
ہو سکتی ہیں۔ وہ آکر ضرور آپ کی اس نوازش کا شکریہ ادا کریں گے...!

شہزاد:۔ (مسکرا کر) تم بڑے بھولے ہو، قمر!

وزیر:۔ (کان کھڑے کرتے ہوئے) کنجی کی آواز کو سنئے....

شہزاد:۔ شاید وہ تہ خانے کے دروازے پر ہیں. جاؤ انھیں لے کر آؤ اس سے پہلے
کہ وہ سو جائیں انھیں میرے پاس لے کر ضرور آؤ۔

وزیر:۔ مالکن! ایسا ہی ہو گا...

(وزیر جلدی سے مڑتا ہے....)

شہزاد:۔ (دروازے کے پاس) اے کنیزو! نغمہ ریز ہو جاؤ، مجھے شہریار کی دونوں
آنکھوں کی تلاش ہو جن میں آج میں ناکامی اور شکست دیکھ رہی ہوں،
آج کی رات شہریار میرے پاس عاجز و درماندہ مایوس و شکست خوردہ ہو کر
لوٹ آیا ہو آج اس کے اندر دنیا کی ہر طاقت کی طرح فنا کا شعور جاگ اٹھا ہو،

"ہال کے باہر موسیقی"

شہریار:۔ (باہر سے چیختا ہی) میرے سر درد سر کا برا ہو! اے ذلیل کنیزو! تمھیں اس وقت کس نے راگ الاپنے کے لیے کہا ہی؟

شہرزاد:۔ (کسی قدر مذاق اڑاتے ہوئے) غصّے کو خود پر طاری نہ ہونے دو شہریار! غصہ بے بسی کی علامت ہی۔

شہریار:۔ (سامنے آکر) تم یہاں میرا مذاق اڑانے کے لیے آئی ہو؟ لو میں حاضر ہوں مجھ سے تم کیا چاہتی ہو؟

شہرزاد:۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تم میرا مذاق اُڑاؤ تم مجھ پر اپنی فتح کا اعلان کرو۔

شہریار:۔ کیا یہ ممکن نہیں ہو کہ ہم ایک دوسرے کا مذاق اڑائے بغیر ملاقات کریں۔

شہرزاد:۔ (ہنس کر) یہ نئی بات ہی! اسے آج کی رات سے پہلے میں نے کبھی تمھاری زبان سے نہیں سُنا تھا شہریار! تمھیں معلوم ہو کہ میں نے تمھیں کیوں بلایا ہی؟ میں تمھاری آنکھوں میں کچھ پڑھنا چاہتی ہوں۔ مجھ سے قریب ہو جا شہریار!

شہریار:۔ (قریب ہوتے ہوئے) ہنس کیوں رہی ہو؟

شہرزاد:۔ لاچاری و بے چارگی جنھیں میں نے کبھی بھی تمھارے اندر نہیں پایا تھا۔

شہریار:۔ (اس سے دور ہوتے ہوئے) ہیچ! میں کسی عورت کے سامنے ہرگز نہیں جھکوں گا

شہرزاد:۔ اور کچھ؟

شہریار:۔ تم میرے لیے پیدا کی گئی ہو۔ میں سب کچھ ہوں... تم کچھ بھی نہیں۔

شہرزاد:۔ میرا خیال تھا کہ تم نے لڑکپن کی حدود کو پار کر لیا ہے

شہریار:۔ میں عقل و معرفت کی بلندی پر فائز ہوں۔

شہرزاد:۔ تم وہی شہریار ہو جو ایک ہزار ایک رات سے پہلے تھا نہ آگے بڑھے ہو... اور نہ ذرہ برابر بدلے ہو۔

شہریار:۔ میں بدل چکا ہوں۔
شہرزاد:۔ اس زمانے میں بھی تم خون بہاتے تھے اور آج بھی وہی کر رہی ہو۔
شہریار:۔ کل میں بغرض تفریح قتل کرتا تھا اور آج حقیقت کے عرفان کے لیے قتل کرتا ہوں
شہرزاد:۔ دو باتیں پھر بھی تم نے کیا جانا؟ زاہدہ کے کٹے سر نے تمہیں کیا بتلایا، تیل
سے بھرے مٹکے کے باسی نے تمہارے علم میں کس بات کا اضافہ کیا! کیا
جادو اور ٹونے نے جن رازوں کے جاننے کے لیے تم تڑپ رہی ہو ان میں
سے کسی کی گرہ کشائی کی۔؟
شہریار:۔ شہرزاد، خاموش ہو جاؤ....!
شہرزاد:۔ نہیں آج میں تم پر سختی کروں گی!
شہریار:۔ (زچ ہو کر) میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ اس گھڑی مجھے تنہا چھوڑ دو....
شہرزاد:۔ جادوگروں اور کاہنوں کا سہارا لے کر تم کس قدر راستے سے بھٹک گئے ہو۔
شہریار:۔ تمہیں بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ میں تم سے مایوس ہو چکا ہوں....
شہرزاد:۔ کیا تمہیں اس بات کی خواہش نہیں رہ گئی کہ میں تمہارے سامنے راز سربستہ
ظاہر کر دوں؟
شہریار:۔ شہرزاد....
شہرزاد:۔ میری طرف کیوں ایسے دیکھ رہی ہو؟
شہریار:۔ میرا مذاق نہ اڑاؤ!
شہرزاد:۔ (سرگوشی کرتے ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ اس کو غور سے دیکھ رہی ہی) تم خود
اپنا مذاق اڑا۔ لائق نہیں ہو۔
شہریار:۔ کیا کہہ رہی ہو؟
شہرزاد:۔ تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ میں کیا ہوں؟

شہریار:۔ تمھیں میری خواہش کا علم ہے۔
شہرزاد:۔ تمھیں یہ جاننے کی خواہش ہے کہ میں کون ہوں؟
شہریار:۔ ہاں۔
شہرزاد:۔ (مسکرا کر) میں ایک خوب صورت جسم ہوں، کیا میں ایک خوب صورت جسم نہیں ہوں؟
شہریار:۔ (چیخ پڑتا ہے) خوب صورت جسم کا بُرا ہو!
شہرزاد:۔ میں ایک عظیم دل ہوں، کیا میں عظیم دل نہیں ہوں؟
شہریار:۔ عظیم دل کا بُرا ہو!
شہرزاد:۔ کیا تمھیں اس بات سے انکار ہو سکتا ہے کہ تم نے کبھی میرے جسم سے پیار کیا تھا اور میرے دل سے محبت کی تھی....؟
شہریار:۔ جو گذر گیا سو گذر گیا.... (گویا خود سے مخاطب ہو) آج میں بد قسمت انسان ہوں۔
شہرزاد:۔ (اس سے قریب ہوتی ہے) شہریار، میرے محبوب! مایوس نہ ہو!
شہریار:۔ دغا باز! مجھ سے دور ہو جا! تمھیں صرف اپنے آپ سے محبت ہے۔
شہرزاد:۔ کیا تمھارا یہی خیال ہے؟
شہریار:۔ دھوکے باز عورت!
شہرزاد:۔ (مسکرا کر) تو مجھ پہ یہ رحم و ترحم کیسا؟
شہریار:۔ (گویا خود سے مخاطب ہو) کون مردود اس گھڑی مجھے یہاں لے کر آ گیا۔
شہرزاد:۔ مجھ پہ رحم اس لیے کھاتے ہو کہ تم میری حقیقت سے نا آشنا ہو۔
شہریار:۔ (زچ ہو کر نفرت سے منھ ایک طرف پھیرتا ہے) مجھے تمھاری یا کسی اور چیز کی پرواہ نہیں رہ گئی۔

شہرزاد:۔ اندھے! نفرت سے منہ پھیر رہے ہو! کاش کہ تم کچھ دیکھ سکتے ۔۔۔۔
شہریار:۔ ضرورت سے زیادہ دیکھ چکا۔
شہرزاد:۔ شہریار! تم نادان ہو۔
شہریار:۔ (زچ ہو کر) میں صرف ایک چیز چاہتا ہوں۔
شہرزاد:۔ وہ کیا؟
شہریار:۔ کہ مر جاؤں۔
شہرزاد:۔ وہ کیوں؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟
شہریار:۔ زندگی میں اب کوئی نیا پن نہیں ہے ۔۔۔ ہر چیز میرے لیے ختم ہو گئی۔
شہرزاد:۔ کیا کائنات میں کوئی لذت یا مزہ ایسا نہیں رہا جو تمھیں جینے پر اکساتا ہو؟
شہریار:۔ ساری کائنات ایک ایسے خاموش جلاد کے مانند ہے جو رہ رہ کر میری
گردن پر پھانسی کے پھندے کو تنگ کرتا جاتا ہے۔
شہرزاد:۔ قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تم پاگل ہو گئے ہو۔ تم نے عقل سے اتنا کام لیا وہ گراں ہو گئی بے وقوف! تمھیں کس راز کی تلاش ہے؟ یہ خیال نہیں کہ تم اپنی بقیہ
عمر ایک دھوکے باز کی اطلاع کے چکر میں گنوا رہے ہو؟
شہریار:۔ میری بقیہ عمر کی قیمت کیا ہے؟ میں ہر چیز سے لطف اندوز ہو چکا اور اب ہر
چیز سے بیزار ہو گیا ہوں۔
شہرزاد:۔ تمھارے گمان میں کیا یہی وہ راستہ ہے جس سے تم اپنی مطلوبہ چیز حاصل
کر لو گے؟ حالانکہ تھوڑی سی توجہ دو تو تمھاری مطلوبہ چیز تمھارے سامنے
موجود ہے۔ حوض کے پانی میں کیا تم کچھ دیکھ رہے ہو؟ کیا میری آنکھیں
بھی اس پانی کی طرح صاف نہیں ہیں؟ کیا تم ان میں کسی راز کو پڑھ
سکتے ہو؟

شہریار:۔ صفائی کا بُرا ہو اور ہر صاف چیز کا برا ہو.... اس صاف پانی سے مجھے
سخت ڈر لگتا ہے.... صاف پانی میں ڈوبنے والے کا برا ہو....!
شہرزاد:۔ شہریار! تمھارا بُرا ہو۔
شہریار:۔ صفائی...! صفائی تو اس کا پردہ ہے۔
شہرزاد:۔ کس کا پردہ؟
شہریار:۔ اس کا، اس کا، اس کا پردہ....
شہرزاد:۔ شہریار! مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔
شہریار:۔ اس کا پردہ اسی صفائی سے بنایا گیا ہے۔ صاف آسمان، صاف نگاہیں
صاف پانی۔ ہوا، فضا ہر وہ چیز جو صاف ہے! اس صفائی کے بعد
کیا ہے؟ یقیناً دبیز پردے صفائی سے زیادہ صاف ہیں۔
شہرزاد:۔ تمام تر مصیبت ہے، شہریار! تم ایک ایسے بدقسمت بادشاہ ہو جس نے اپنی
آدمیت کھودی ہے، اپنا دل کھو دیا ہے۔
شہریار:۔ میں آدمیت سے بری ہوں، دل سے بری ہوں، میں علم نہیں معرفت
حاصل کرنا چاہتا ہوں۔
شہرزاد:۔ کس چیز کی معرفت؟ کیا یہاں کوئی چیز معرفت کی مستحق نہیں؟
شہریار:۔ فریب دیکر، میرے سوال کا جواب دو! زندگی میں جو کچھ میں چاہتا ہوں
اس کی انتہا تمھارا جواب ہے۔
شہرزاد:۔ جو چاہے پوچھو۔
شہریار:۔ تم کون ہو؟
شہرزاد:۔ (مسکرا کر) میں شہرزاد ہوں
شہریار:۔ چکمہ بازی اور نازو ادا سے باز آجاؤ! میں جانتا ہوں کہ تمھارا نام شہرزاد ہے

لیکن شہرزاد ہے کیا ؟

شہرزاد :- تمھارے سابق وزیر کی بیٹی۔

شہریار :- مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میرے سابق وزیر نے شہرزاد کو پیدا کیا ہے یہ بات
مجھے ایسے ہی معلوم ہے جیسے کہ مجھے یہ پتہ ہے کہ کائنات کا خالق اللہ ہے،
ایسا اس لیے ہے کہ شہرزاد کو بنت الحرام نہ کہا جا سکے اور یہ نہ کہا جا سکے
کہ کائنات ایک اتفاقی امر ہے۔ لیکن تمھیں معلوم ہے کہ میں ان لوگوں میں
سے نہیں ہوں جنھیں حسب و نسب مطمئن کر دیتے ہیں۔

شہرزاد :- کیوں نہیں ؟ تم مجھے بھی کیوں نہیں دیگر عورتوں کی طرح ماں باپ اور
اچھے خاندان والی ایک عورت سمجھتے ؟

شہریار :- تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

شہرزاد :- یہ تم میری تعریف کر رہے ہو یا مذمت ؟

شہریار :- میں نہیں جانتا میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ تم عورت نہیں ہو۔

شہرزاد :- اچھا ! اس حد تک تم پر پاگل پن سوار ہو گیا ہے ۔۔۔۔ !

شہریار :- تم عورت نہیں تو اور کیا ہو سکتی ہو ؟ میں پوچھتا ہوں کہ تم کون ہو ؟ آیا وہ قیدی
کہ جس نے ساری زندگی پردے میں گزاری ہو لیکن اسے دنیا کی تمام چیزوں
کا ایسا علم ہو کہ گویا وہ بذات خود کرہ ارض ہو یا پھر وہ عورت کہ جس نے
کبھی اپنا گھونگھٹ چہرے سے نہیں ہٹایا لیکن مصر و ہندوستان اور چین
کو بخوبی جانتی ہو تم وہ دوشیزہ ہو جو مردوں کی نفسیات کو اس عورت کی
طرح جانتی ہو جس نے ہزاروں سال مردوں کے درمیان گزارے ہوں اور جو
انسانی مزاج و طبیعت کے اچھے اور برے کی تمیز اچھی طرح رکھتی ہو۔ یا تم اس
ننھی لڑکی کے مانند ہو جسے زمین کا علم جب ناکافی محسوس ہوا تو آسمان

پر چڑھ گئی اور اس کے قلم و نسق اور اس کی پوشیدہ باتوں کے بارے میں یوں گفتگو کرنے لگی کہ جیسے وہ فرشتوں کی بچی ہو اور پھر زمین کی گہرائیوں میں گھس کر شیطانوں، نافرمانوں اور ان کے نچلے عجیب و غریب علاقوں کے بارے میں یوں کلام کرنے لگی کہ گویا وہ جناتوں کی بیٹی ہو، وہ بھلا کون ہو سکتا ہے جس نے ابھی بیس سال بھی پورے نہیں کیے اور جس نے یہ مدت بھی اپنی سہیلیوں کی طرح پردے پردے ہوئے کمرے میں گذاری ہے؟ اس کا راز کیا ہے؟ کیا اس کی عمر بیس سال ہے یا اس کی کوئی عمر نہیں؟ کیا وہ کسی جگہ مقید تھی یا ہر جگہ موجود تھی؟ میری عقل اس کی حقیقت کے عرفان کے لیے جوش مار رہی ہے۔ کیا وہ عورت ہو سکتی ہے جو کائنات کو اس طرح جانتی ہے جیسے وہ خود کائنات ہو؟

شہرزاد:۔ شہریار! یہ سب چھوڑو! تمھارے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ تمھارے چہرے سے تشویش ناک تھکاوٹ ظاہر ہو رہی ہے۔

شہریار:۔ ہاں! میں تھکاوٹ محسوس کر رہا ہوں لیکن میرا ذہن حقیقت کا علم حاصل کیے بغیر پرسکون نہیں ہوگا۔

شہرزاد:۔ میں نے سمجھ دیا کہ یہ سب چھوڑو اور اس بارے میں خود فکر نہ کرو۔

شہریار:۔ تم میری محبوب اور عزیز بیوی ہو، کیا تم میری بیوی نہیں ہو؟ تمھارا کیا خیال ہے کہ میں زیادہ دنوں تک اپنے اور تمھارے درمیان پڑے ہوئے پردے کو برداشت کر سکتا ہوں؟

شہرزاد:۔ (جیسے خود سے مخاطب ہو) تو کیا جس دن یہ پردہ ہٹ جائے گا میری زندگی ایک لمحہ کے لیے بھی باقی رہ سکے گی؟

شہریار:۔ کیا کہہ رہی ہو؟

شہزاد:۔ کچھ نہیں
شہریار:۔ تمہاری قسم مجھے تمہارے بارے میں اس سے زیادہ جاننے کی ضرورت ہے
جتنا کہ مجھے علم ہے
شہزاد:۔ اس گھڑی اپنے بستر پہ جاؤ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔
شہریار:۔ (چیخ کر) میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آج میں جاننا چاہتا ہوں، بہت میں
نے صبر کر لیا۔
شہزاد:۔ بچے نہ بنو شہریار! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر تم بیس صدیوں تک
یونہی اصرار کرتے رہو گے تو بھی میری زبان سے ایک لفظ نہ سن سکو گے۔
شہریار:۔ وہ کیوں؟
شہزاد:۔ اس لیے کہ جو کچھ تم چاہتے ہو اس کی مالک میں نہیں ہوں تم امر محال
چاہتے ہو، تم مریضانہ ذہنیت کے حامل ہو۔
شہریار:۔ تم جانتی ہو، تم ہر چیز جانتی ہو، تم ایک عجیب مخلوق ہو، تم ہر عمل اور ہر
لفظ کو بہت سوچ سمجھ کر ادا کرتی ہو، تمہارا کوئی عمل، تمہارا کوئی لفظ
اتفاقی یا نفسانی خواہش کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ تم ہر باب میں ایک اندازے
کے مطابق قدم اٹھاتی ہو۔ سورج، چاند اور ستاروں کی طرح بال برابر بھی
ادھر ادھر نہیں ہوتی ہو تم ایک عظیم عقل کی مالک ہو.....!
شہزاد:۔ (مسکرا کر) شہریار! تم اپنے دل کے آئینے میں مجھے دیکھ رہے ہو۔
شہریار:۔ میں حقیقت دیکھ رہا ہوں۔
شہزاد:۔ (قدرے مذاق اڑاتے ہوئے) ہمیشہ حقیقت!!!
شہریار:۔ کیا تم نہیں بتلاؤ گی؟
شہزاد:۔ بہتر ہے کہ اس وقت جا کر سو رہو اور آرام کرو یا پھر تباہ کن غور و فکر میں

مشغول ہو اور کاہنوں اور جادوگروں کے پاس جاؤ۔

شہریار:۔ (اس کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہتا ہے) اللہ کی لعنت ہو ...

شہرزاد:۔ میری طرف یوں کیسے دیکھ رہی ہو؟

شہریار:۔ آؤ ...!

شہرزاد:۔ (قریب ہو کر) کیا چاہتے ہو؟

شہریار:۔ چومنا چاہتا ہوں۔

"شہرزاد کا سر اپنے سامنے لا کر اس کے سیاہ بال کو اٹھاتا ہے اور دفعتہً میان سے خنجر نکالتا ہے"

شہرزاد:۔ (چیخ کر) تمہارا برا ہو! یہ کیا کر رہے ہو؟

شہریار:۔ (عجیب وغریب آواز میں) میں ایک سفید بال دیکھ رہا ہوں جو اس خوبصورت رات میں وقت فجر کی ایک کرن کی طرح چمک رہا ہے....!

شہرزاد:۔ (اس کے ہاتھوں سے خود کو چھڑا کر حوض میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے) وہ بال کہاں ہے؟

(سفید بال کو کھینچتے ہوئے)

شہریار:۔ اسے کیوں کھینچ رہی ہو؟

شہرزاد:۔ (شہریار کی طرف پلٹ کر) تمہارے دل میں یہ سب کرنے کا خیال کیسے آیا؟ مجھے تو تمہارے جنون کا یقین ہو چلا تھا۔ کیا شہریار تم میرے نہ ہونے کو برداشت کر لو گے؟

(اپنی ہیئت درست کرتی ہے نیز اپنے جسم کے خوبصورت حصوں کو نمایاں کرتی ہے۔ جن میں شہریار اپنی نگاہیں جما دیتا ہے)

میری طرف ایسی نظروں سے کیا دیکھ رہے ہو؟ لگتا ہے کہ جیسے تم نے مجھے دیکھا ہی نہ ہو؟

شہریار:۔ (نفرت سے منھ پھیرتے ہوئے) ہرگز نہیں، میں تمھاری جانب سے یہ سب دیکھنے کا خواہش مند نہیں ہوں۔

شہزاد:۔ وہ کیوں؟

شہریار:۔ یہ بھی وہی کرتی ہے، اپنے حسن کو ظاہر اور اپنی حقیقت کو چھپاتی ہے۔

شہزاد:۔ یہ کون؟

شہریار:۔ (گویا خود سے مخاطب ہو) فطرت۔

شہزاد:۔ (محبت بھرے لہجے میں) اے پریشاں حال شخص ....!

شہریار:۔ اے دغاباز!

شہزاد:۔ (اس کا سر اپنے ہاتھوں میں لے کر) اس بیمار و پریشان سر، اس زرد وزرد پیشانی اور ان سکڑے ہوئے ہونٹوں کا برا ہو!

شہریار:۔ میرا چہرہ مردوں کی طرح زرد اور پیلا ہے!

شہزاد:۔ ایسا نہ کہو۔

شہریار:۔ ہاں، شہزاد میں مر جاؤں گا۔

شہزاد:۔ کیا محرومی، ناکامی اور تھکاوٹ کی وجہ سے ایسا ہوگا؟ نہیں شہریار! تم زندہ رہو گے۔

شہریار:۔ میں زندگی نہیں چاہتا۔ اب کسی چیز میں مجھے رغبت نہیں رہی۔

شہزاد:۔ شہریار! آج تم یہ کہہ رہے ہو کل کچھ اور ....

شہریار:۔ مجھے کل کی فکر نہیں۔

شہزاد:۔ (اس کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھا کرتے ہوئے) تم بوڑھے نہیں ہو، شہریار! .... تمھارے بال ابھی تک رات کی طرح کالے اور سیاہ ہیں۔

شہریار:۔ میرے بالوں میں یونہی کنگھا کرتی رہو..... اپنی محبت بھری آواز سناؤ.. میں یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ تم اس قدر خوبصورت ہو کیا یہ تمہارے دانت ہیں، شہرزاد! یہ موتیوں کے پیالے ہیں۔ کیا یہ تمہاری زلفیں ہیں شہرزاد! یہ انگور کے خوشے ہیں۔

شہرزاد:۔ آؤ۔ اپنے جسم کو تھوڑا آرام دے لو۔

شہریار:۔ مجھے اپنی گود کا سہارا لینے دو یوں جیسے کہ میں تمہارا بچہ یا تمہارا شوہر ہوں کیا میں واقعی تمہارا شوہر ہوں؟ مجھے خود اپنی بات کے صحیح ہونے کا یقین نہیں ہے اپنی باہوں کو میری گردن کے گرد رکھ دو۔ تمہاری باہیں چاندی کی ہیں شہرزاد! میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ سب خزانے میرے لیے ہیں کیوں نہیں اپنی محبت کے بارے میں کچھ بات کرتی ہو، کاش کہ تم مجھ سے ذرہ برابر بھی محبت کرتیں تمہارے دل میں میرے لیے کچھ بھی محبت نہیں ہے۔

شہرزاد:۔ (قدرے مذاق کرتے ہوئے) اچھا! پھر دل اور محبت کی طرف پلٹ آئے!

شہریار:۔ (اونگھتے ہوئے) شہرزاد! میں اس گھڑی خود کو انتہائی خوش بخت تصور کر رہا ہوں تمہارے دل میں میرا کیا مرتبہ اور درجہ ہے میں جاننا چاہتا ہوں اکثر مجھے یہ دکھ گھیر لیتا ہے اور اکثر یہ خیال میرے سامنے آتا ہے کہ تم عظیم ..... عظیم ہو۔ اور تمہارے لیے مجھ جیسے شخص سے محبت کرنا شاید ممکن نہیں ہے۔

شہرزاد:۔ (ہوشیاری سے) کیا تمہارے دل میں یہ جاننے کی خواہش نہیں رہ گئی کہ میں کون ہوں؟

شہریار:۔ میری تو بس یہی خواہش ہے کہ میں تمہارے روپہلے جسم کو چوم لوں۔

شہرزاد:۔ اچھا! تو پھر جسم کی طرف پلٹ آئے!

شہریار:۔ (غنودگی کا غلبہ ہوتا ہی) میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے کوئی شعر سناؤ .....
شہزاد! اپنی کہانیوں میں سے کوئی کہانی سناؤ!....

شہزاد:۔ (دروازہ کی طرف متوجہ ہوکر) کنیزو! گاؤ، بجاؤ،

(ہال کے باہر ہلکی ہلکی موسیقی اور ہلکا ہلکا ترنم ....)

شہریار:۔ (اونگھ کر) مجھے کوئی نغمہ سناؤ .....

شہزاد:۔ (سرگوشی کے انداز میں) شہریار .....

شہریار:۔ (سو چکا ہے) ؟

شہزاد:۔ (مسکراتے ہوئے آہستہ سے) نغمہ سننا چاہتے ہو ؟

شہریار:۔ ؟

شہزاد:۔ (گویا خود سے مخاطب ہو) سو جا ... سو جا ... سو جا ...
اے وہ بچے جسے کھیل کود نے تھکا دیا ہے!

تیسرا منظر
قصر شاہی

قصر سے باہر موسیقی، صبح کی دھوپ
اطراف وجوانب پر بکھری ہوئی ہے

قمر:۔ (ایک غلام سے بات کرتے ہوئے) کیا سواری تیار ہو گئی؟
جادوگر:۔ (سامنے آتا ہے) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ افواہ صحیح ہے۔
قمر:۔ جادوگر! کس لیے آئے ہو؟ کیا جانتے نہیں کہ بادشاہ اس وقت تمھیں دیکھ کر خوش نہیں ہوگا؟
جادوگر:۔ میرے آقا کو خدا معاف کرے، شہر میں میں نے یہ خبر سنی ہے کہ حضور بادشاہ سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔
قمر:۔ تمھیں اس سے کیا سروکار؟
جادوگر:۔ شاید بادشاہ کو میری ضرورت ہو....
قمر:۔ بادشاہ معظم اپنے ساتھ کسی کو نہیں لے جائیں گے۔
جادوگر:۔ تعجب ہے! کیا چیز انھیں اس بات پر اکساتی ہے؟
قمر:۔ (دروازے کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہتا ہے) خاموش، بادشاہ....

شہریار:۔ (عجیب وغریب سرور و نشاط کے ساتھ سامنے آتا ہے،
جادوگر کو دیکھ کر اس پر چیخ پڑتا ہے)
تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اگر مجھے یقین ہوتا کہ تمہاری زندگی کی قیمت
ایک درہم کے برابر بھی ہے تو میں اسے تم سے چھین لیتا۔ نیچ، کمینے! اپنے
جلیسوں میں لوٹ جا..... اے بڑے کیڑے! تمہیں چھوٹے کیڑوں
کی خوراک بنایا گیا ہے.....!
جادوگر:۔ (باہر جا کر آہستہ سے کہتا ہے) اور آپ بھی تو ایسے ہی ہیں، کیا آپ کو
چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے نہیں کھائیں گے؟
بادشاہ:۔ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟
قمر:۔ کچھ نہیں حضور، وہ معافی کا طالب ہے۔
شہریار:۔ (محل سے باہر کی موسیقی کو سن کر) یہ موسیقی کیسی؟ یہ میرے دل کو محدود
دائروں میں بند کر رہی ہے۔ اسے خاموش کرو، قمر! یا پھر اس کے نغمے کو
وہاں تک پھیلنے دو..... وہاں تک پھیلنے دو..... جہاں کوئی حد
اور انتہا نہیں ہے.....
(قمر ایک نوکر کو موسیقی کے بند کرانے کا اشارہ کرتا ہے)
شہریار:۔ ضروریات سفر کو تیار کر دیا؟
قمر:۔ جی حضور، لیکن.....
شہریار:۔ لیکن کیا، اے قمر!
قمر:۔ کیا آپ واقعی سفر کر رہے ہیں؟
شہریار:۔ ہاں، کیا تم برابر میری رائے سے اختلاف کرتے رہو گے؟
قمر:۔ بظاہر مجھے سفر کی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی۔

شہریار:۔ تو پھر مقیم رہنے کی کون سی ضرورت ہو؟

قمر:۔ کیا میرے آقا کا یہ خیال ہو کہ وہ دنیا جہاں کے چکر لگا کر اس سے زیادہ کچھ جان لیں گے جتنا کہ وہ اس کمرے میں جانتے ہیں؟

شہریار:۔ خیالی باتیں قمر! چھوڑ دو، فکر و خیال سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں ہوا، ایسا زمانہ گیا آج ہم حقیقتیں چاہتے ہیں قمر! نفس واقعات کی تلاش میں ہیں۔ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور اپنے کانوں سے سننے کے خواہش مند ہیں۔

قمر:۔ میرے حضور! ہماری زندگی صرف اسی چیز کے لیے نہیں ہے۔

شہریار:۔ اگر ہم علم کے لیے نہیں جیئے تو پھر سانس اور جسم کا یہ رشتہ کیوں؟ قمر!

قمر:۔ تاکہ ہم خوب صورت چیزوں کی پرستش کریں

شہریار:۔ کائنات میں خوب صورت چیز ہے کیا؟

قمر:۔ عورت کی دو آنکھیں۔

شہریار:۔ اے بیکس و مسکین! تمام موجودات میں عورت کی دو آنکھیں ہی تمہارے نزدیک سب کچھ ہیں؟ اے خوب صورت جوان! تمہارے لیے ہر رات ایک دوشیزہ ہونی چاہیے تاکہ تم آنکھوں کے بعد بھی کچھ دیکھ سکو۔

قمر:۔ حضور! مذاق نہ کریئے یقین جانیے کہ جس کے کمرے میں کوئی خوبصورت لڑکی ہوتی ہو وہ درحقیقت کمرے میں محصور ہونے کے باوجود ساری کائنات کا مالک ہوتا ہو۔

شہریار:۔ (مسکرا کر) تو تم ایک ہی محل میں اس کے ساتھ رہو گے

قمر:۔ کس کے ساتھ؟

شہریار:۔ خوب صورت آنکھوں والی کے ساتھ!

قمر:۔ (ترش رو ہو کر) آپ کا کیا مطلب ہے؟

شہریار:۔ تم اور شہرزاد یہیں ٹھہرو گے، تم اس کی حفاظت کرو گے اور اسے چاہو گے یہاں تک کہ میں اپنے لمبے سفر سے لوٹ آؤں۔

قمر:۔ (احتجاجی انداز میں) آپ کو وہم ہے۔

شہریار:۔ کیا کہہ رہے ہو؟

قمر:۔ (نمو روئے کر اور تیزی کے ساتھ) کہہ رہا ہوں کہ آپ وہمی ہیں۔

شہریار:۔ تو کیا تم حکم عدولی کرو گے؟

قمر:۔ اس باب میں ہاں اور ہزار مرتبہ ہاں۔

شہریار:۔ میں تمہیں ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔

قمر:۔ تو ملکہ معظمہ آپ کے ساتھ جائیں گی۔

شہریار:۔ وہ؟ تو پھر یہ سفر کس لیے؟

قمر:۔ تو کیا آپ اپنی بیوی کو یہاں چھوڑنا چاہتے ہیں؟

شہریار:۔ اور تم کو بھی

قمر:۔ آپ اپنے چاہنے والوں سے فرار حاصل کرنا چاہتے ہیں!

شہریار:۔ خود سے بھی

قمر:۔ اللہ رحم کرے ....!

شہریار:۔ میں کیڑوں والے اس جسم کو بھول جانا چاہتا ہوں اور آزاد ہونا چاہتا ہوں .... آزاد ہونا چاہتا ہوں۔

قمر:۔ کہاں جا کر؟

شہریار:۔ جہاں کوئی حد اور انتہا نہیں ہے ....

قمر:۔ میں آپ کا کلام سمجھا نہیں۔

شہریار:۔ ہاں اس وقت تم میری بات سمجھو گے بھی نہیں۔
قمر:۔ واقعتہً آپ سیماب صفت ہیں۔
شہریار:۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے جسم کی بھی یہی حالت ہو گی۔
قمر:۔ کیا ملکہ معظمہ کو آپ تنہا چھوڑ سکیں گے؟
شہریار:۔ جس طرح وہ مجھے چھوڑ سکتی ہیں۔
قمر:۔ اور میں؟
شہریار:۔ تم قمر! چونکہ دھوپ کے بغیر پھل پھول نہیں سکو گے لہٰذا اس کے نور سے زندگی حاصل کرنے کے لیے تم یہیں رہ جاؤ۔
قمر:۔ میرے حضور....!
شہریار:۔ قمر! گھبراؤ نہیں تم یہاں مقیم رہ کر درحقیقت مجھ پر اپنے منجملہ احسانات میں ایک اور احسان کا اضافہ کرو گے۔
قمر:۔ اگر میں انکار کر دوں تو؟
شہریار:۔ تم ویسا ہرگز نہیں کرو گے۔ شہرزاد کے سلسلے میں مجھے صرف تمہیں پر بھروسہ ہے تو، دیکھو وہ ایک ایسے لباس میں آ رہی ہے جس میں میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ قمر۔ دیکھو! کس قدر خوب صورت ہے!
قمر:۔ (سرفگندہ ہو کر) ؟
شہریار:۔ کیا دیکھ نہیں رہے ہو؟ کیا حسن و جمال کی پوجا کرنا چھوڑ دیا! آؤ، شہرزاد! تم یقیناً مجھے الوداع کہنے آئی ہو؟
شہرزاد:۔ (سامنے آ کر) ہاں میں تمھیں سفر سے پہلے رخصت کرنے آئی ہوں۔ مگر شہریار! یہ تو بتلاؤ تم جانا کہاں چاہتے ہو؟
شہریار:۔ میں کہاں جانا چاہتا ہوں؟

شہرزاد:۔ ہاں، کہاں جانا چاہتے ہو؟
شہریار:۔ "واق الواق" نامی ملک جانا چاہتا ہوں۔
شہرزاد:۔ کیا مذاق کر رہے ہو؟
شہریار:۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اس ملک کا وجود صرف تمہارے گوشہ خیال میں ہے
اے حسین فن کارہ!
شہرزاد:۔ کب تک لوٹنے کا ارادہ ہے؟
شہریار:۔ سفر کے پہلے مرحلہ سے؟
شہرزاد:۔ تو کیا سفر کے دیگر مراحل بھی ہیں؟!
شہریار:۔ شہرزاد! کیا تم سندباد کو بھول گئیں؟ کیا سندباد نے سات متواتر مرحلوں
میں سفر نہیں کیا تھا!
شہرزاد:۔ اچھا! تو یہ سفر کی بیماری ہے؟
شہریار:۔ ٹھیک کہا۔ یہ سفر کی بیماری ہی ہے! جیسا کہ تم کہہ رہی ہو، جو شخص بھی
مکان کے بندھنوں سے اپنے جسم کو آزاد کرانے پر قادر ہوا اسے سفر
کی بیماری ضرور آن لگی ہے۔ اس کے بعد پھر وہ موت تک سیر دنیا سے باز
نہیں آ سکتا۔
شہرزاد:۔ ٹھیک معاملہ حل ہو گیا تو حضور! سندباد ہو گئے ہیں؟
شہریار:۔ کیا تمہیں میری جدائی کا غم ہے؟
شہرزاد:۔ اگر میں یہ جانتی کہ تم ایک دن فکر پریشان کی طرح آزاد ہو جاؤ گے تو میں
تم سے کوئی قصہ بیان نہ کرتی۔
شہریار:۔ میں ان قصوں کی بدولت خود کو آزاد محسوس کرنے لگا ہوں یہ کہنا سراسر
غلط ہے۔

شہرزاد:۔ اچھا!

شہریار:۔ وہ قصے تو در اصل تنگی کی علامت تھے۔ تمہاری باہوں نے میری گردن پر پھندے کو مزید تنگ کر دیا ہے۔

شہرزاد:۔ (مسکرا کر) میری دونوں روپہلی باہیں! میرا برا ہو... آج تم مجھ سے اس قدر نفرت کرنے لگے؟

شہریار:۔ شہرزاد! نفرت کون کر رہا ہے؟ کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے؟ کیا یہ گناہ ہے کہ میں قید مکان سے بلند ہو کر اپنے دل میں آدمیت کا احساس پیدا کر لوں!!

شہرزاد:۔ (آہستہ سے کہتی ہے) نفس آدمیت قابل معافی ہے!

شہریار:۔ تاہم، یہ شہرزاد کیا شے ہے؟ آدمیت کے بعد یہ دوسرا قابل غور نکتہ ہے۔

شہرزاد:۔ اور تم قمر! اس باب میں کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تمہیں اپنے دوست کی رائے کا اقرار ہے؟

قمر:۔ ہمیں ان سے میری مالکن! ایسی ہی بات کی امید رکھنی چاہیے اس شخص سے بھلا ہم اور کس چیز کی توقع رکھ سکتے ہیں جس کے بستر پہ ہر رات ایک دوشیزہ ہوا کرتی تھی۔

شہریار:۔ کیا تمہاری مراد یہ ہے کہ میں عورتوں سے بے رغبت ہو گیا ہوں؟

قمر:۔ آدمی ہیں لیکن دل نہیں ہے۔

شہریار:۔ قمر مجھ سے خفا ہو گیا ہے میرا برا ہو! قمر کا غصہ صرف ایک وجہ سے زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے خیال میں میں شہرزاد کی جس طرح پوجا کرنی چاہیے پوجا نہیں کرتا ہوں۔

شہرزاد:۔ قمر ایک مکمل انسان ہے۔

شہریار:۔ قمر بچہ ہے۔

شہر زاد:۔ شہریار! تم بچے ہو
شہریار:۔ کوئی حرج نہیں، میں تو ہمیشہ تمہاری نگاہ میں بچہ رہا ہوں تمہاری خدمت
میں اب وہ مردِ کامل رہی گا۔ بچے کو یقیناً سفرِ دنیا پر نکل جانا چاہیے تاکہ وہ
ایک اطاعت اور فرمانبردار غلام بن کر واپس آجائے۔
شہر زاد:۔ جب تک ساتھ میں دل نہ ہو بچوں کے لیے سفر و سیاحت مفید نہیں۔
شہریار:۔ (طنز کرتے ہوئے) دل کا کیا کام ہے۔ محبت؟!
شہر زاد:۔ پتہ نہیں۔
شہریار:۔ محبت! اس لفظ کو تم کیسے ادا کر سکتی ہو؟ یہ لفظ تو گذشتہ زمانوں کی ایک
تاریخی یادگار ہے۔
شہر زاد:۔ نہیں یہ تو گذشتہ رات کی یادگار ہے۔
شہریار:۔ صرف کل کی رات؟ تم مبالغہ سے کام لے رہی ہو۔ اتنی جلد ہی اس کے
مفہوم و مطلب کو کیسے بھول گئیں! نہیں، میں تمہاری بات کی تائید کرتا ہوں
محبت کا مطلب میرے نزدیک اس موسیقی سے ہے جو جذبات کی زبان کو
گنگ کر دیتی ہے۔ جس کو اس وقت میں اس لیے نہیں سمجھ رہا ہوں کہ
میں جذبات کو نہیں سمجھ رہا ہوں، قمر! اسے خاموش کر دو۔ کیا میں
نے تم سے کہا نہیں کہ اسے خاموش کر دو۔ یہ میرے وجود اور میری شخصیت
کو حدود مکان و مکانیت میں محصور کر رہی ہے۔
شہر زاد:۔ ان تمام فلسفیانہ خیالات کے باوجود تمہارے اور لڑکپن کے درمیان
بس تھوڑا فاصلہ ہے۔
شہریار:۔ کوئی بات نہیں۔ میں دوبارہ تمہارے خوبصورت جسم کو نہیں چاہوں
گا، نہ تو اب مجھے تمہارا لعاب دہن مدہوش کرے گا اور نہ ہی تمہاری

زلفوں کی مہک اور تمہاری بانہوں کی گرفت مجھے وارفتہ بنائے گا۔ میں اب جسموں سے سیر خاطر ہو گیا۔ میں اب جسموں سے سیر خاطر ہو گیا۔ میری طبیعت اب جسموں سے بھر گئی۔

شہرزاد:۔ گویا تم بے حس اور بے شعور ہو گئے۔

شہریار:۔ شعور و احساس کی مجھے اب حاجت نہیں۔ پہلے میں شعور رکھتا تھا لیکن ذوق وجدان سے محروم تھا۔ لیکن آج روح کی طرح میں ذوق وجدان کا حامل اور شعور سے محروم ہوں۔

شہرزاد:۔ روح ؟ تم روح سے کس قدر دور ہو قمر! آؤ چلیں یہ بے چارہ ہر چیز کو بس خالی خولی گفتگو سمجھتا ہے۔

شہریار:۔ (اچانک) شہرزاد! وقت رخصت قریب آ گیا۔ اس پر ہول موسیقی کو کیا تم سن نہیں رہی ہو جو مجھے سفر کی دعوت دے رہی ہے؟

شہرزاد:۔ (قمر سے سرگوشی کرتے ہوئے) قمر! تم دہ جاؤ۔

شہریار:۔ اس سے تم کیا کہہ رہی ہو؟

شہرزاد:۔ اس سے میں نہ جانے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ تم جب چاہو سفر پر روانہ ہو جاؤ۔

شہریار:۔ کیا مطلب؟

شہرزاد:۔ کہا جاتا ہے کہ انسان دل کے واسطے سے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں دوسرے اپنی عقل کے سہارے پہنچ نہیں سکتے۔

شہریار:۔ (قمر کو تلاش کرتے ہوئے جو چپکے سے باہر کھسک گیا ہے) تو کیا تم اس سے انکشاف حقیقت کرو گی؟

شہرزاد:۔ بہت نہیں۔

شہریار:۔ (رنج و قلق کے ساتھ) شہرزاد ....

شہرزاد:۔ جاؤ!

شہریار:۔ مکر و فریب، میں تمھیں اچھی طرح پہچانتا ہوں، یہ جان لو کہ قمر مجھ سے کچھ بھی نہیں چھپائے گا۔ تمھاری باتیں اب مجھے دھوکا نہیں دیں گی۔ اے ملکہ سلام رخصت لیکن قریب آؤ میں تمھیں چومنا بھول گیا ....

"جلدی جلدی اس کا بوسہ لیتا ہے شہرزاد بھی اس کو روک کر پوری گرم جوشی کے ساتھ بوسہ لیتی ہے۔ اس پر شہریار بہت متاثر ہوتا ہے ...."

شہرزاد:۔ (خاموشی کے ساتھ اس کو چھوڑ دیتی ہے) ؟

شہریار:۔ (کانپتے ہوئے) شہرزاد ....

شہرزاد:۔ (اس کی طرف متوجہ ہو کر) یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے ؟ تم کانپ رہے ہو۔

شہریار:۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو ....

شہرزاد:۔ یہ جدائی کا اثر ہے، شہریار!

شہریار:۔ (عزم و ارادہ کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے) قمر کہاں ہے؟ قمر! تم کہاں ہو؟ سفر، سفر، سفر....

(جلدی سے باہر نکل جاتا ہے)

شہرزاد:۔ (خود سے) یہ بےچارا انسان!.... کاش کہ اسے یہ معلوم ہوتا کہ مجھے اس سے کتنی ہمدردی ہے!....

چوتھا منظر

چٹیل میدان ... کھلی فضا ... وقت مغرب
سورج دور افق کے قریب ریت میں جذب ہو رہا ہے

قمر:۔ (غصّہ کی حالت میں طنز کرتے ہوئے) اس افسردگی اور خاموشی کے بعد کیا ہے؟
آپ کیا یہ سمجھتے ہیں یہ ساری کائنات غروب آفتاب پر ماتم کناں ہے۔

شہریار:۔ مجھ سے تمھارا کیا سروکار؟

قمر:۔ ہم لامحدود فضا میں چکر لگا رہے ہیں۔ چٹیل میدانوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں جہاں ہمیں نہ کوئی زندہ شخص ملتا ہے اور نہ ہی جس کے اطراف وجوانب میں اپنی صدائے بازگشت کے علاوہ ہمیں کچھ سنائی دیتا ہے کیا آپ اس صورت حال سے خوش ہیں؟ آج میں کس قدر آپ کو خوش و خرم دیکھ رہا ہوں....!

شہریار:۔ میرے ساتھ آنے کی اجازت کس نے دی؟

قمر:۔ تعجب ہے! کیا ابھی تک آپ کو میری موجودگی کی خبر ہی نہیں تھی؟

شہریار:۔ تمھاری موجودگی!

قمر:۔ میرے مالک ؟.....

شہریار:۔ (ملول خاطر ہو کر) تمھیں مجھ سے کیا چاہیے؟ تمھیں مجھ سے کیا چاہیے؟

قمر:۔ آج آپ بڑے فیاض طبع نظر آرہے ہیں!

شہریار:۔ تمھیں میری کشادگی دل اور تنگی خاطر سے کیا لینا دینا، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو

قمر:۔ (تھوڑی دیر کے بعد) میری ایک بات مانیں گے؟

شہریار:۔ (کسی جنبش کے بغیر) ؟

قمر:۔ آیئے واپس لوٹ چلیں۔

شہریار:۔ (سر کو اٹھاتے ہوئے) آخر کہاں؟

قمر:۔ جہاں ہم تھے

شہریار:۔ (چیخ کر) جہاں شہزاد ہے! اے جھوٹے شخص!! ابھی ہمارے سفر کا ایک دن بھی پورا نہیں ہوا کہ تمھاری کمزوری ظاہر ہو گئی؟

قمر:۔ میری کمزوری!

شہریار:۔ (صبر و تحمل اور قدرے زور سے اٹھتے ہوئے) آؤ چلیں کوئی دوسری جگہ تلاش کریں۔ بلاشبہ یہاں صحرا کی وحشت و ویرانی ہے۔ تمھیں قمر! نہ تو سفر کی دوری کا اندازہ تھا اور نہ ہی اس سے پہلے تم نے کبھی سفر کیا تھا۔

قمر:۔ اور آپ نے بھی تو نہیں۔

شہریار:۔ کیوں نہیں اس سے پہلے میں کئی بار سفر کر چکا ہوں

قمر:۔ کئی بار...؟

شہریار:۔ (گویا خود سے مخاطب ہو) لیکن ... اب کی بار جیسا نہیں۔

قمر:۔ (پرسکون ہو کر) لیجیے! آپ نے اعتراف کر ہی لیا۔

شہریار:۔ کس چیز کا اعتراف کر لیا؟

قمر:۔ اپنی تکلیف کا۔

شہریار:۔ (پرسکون ہونے کی کوشش کرتے ہوئے) تم انتہائی سادہ لوح ہو قمر!

مجھے اس کی جدائی کا قطعاً دکھ نہیں ہے بلکہ میرے علاوہ کسی اور کو جسے تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو اس کی جدائی کا بہت دکھ ہے!

قمر:- (غصہ اور دکھ کے ساتھ) آپ کا کیا مطلب ہے؟

شہریار:- (پرسکون ہو کر) کچھ نہیں۔ غصہ نہ کرو، اے نوجوان! ان الفاظ پر زیادہ توجہ نہ دے...!

قمر:- (غصہ کی حالت میں سر کو جھکاتا ہے)؟

شہریار:- (ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف یکا یک نظر ڈالتے ہوئے....) قمر! دیکھو سورج کی جدائی یقیناً تکلیف دہ ہے۔

قمر:- (سر اٹھا کر ڈوبتے ہوئے سورج کو خاموشی کے ساتھ دیکھتا ہے)؟

شہریار:- (ایک لمحہ غور و فکر کے بعد) ہر جدائی کا یہی عالم ہوتا ہے۔

قمر:- ؟

شہریار:- شاید سورج بھی غمگین ہے۔ اس کی شعاعوں کی زردی اور اس کی اڑی اڑی رنگت کو کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو؟ لیکن یہ کیفیت دم بھر کے لیے ہے۔ صرف جدائی کے وقت تک اور بس.....

قمر:- (پست آواز میں) لیجئے دیکھئے وہ ریت میں ڈوب گیا۔

شہریار:- ہاں اور اس کا غم بھی غلط ہو گیا۔ اگر تمھیں اسی گھڑی اسے اپنی نئی جگہ پر دیکھنے کا موقعہ دیا جائے تو تم اس کی تابناک اور چمکدار شعاعوں کو دیکھ کر دنگ رہ جاؤ گے....

قمر:- اتنی جلدی ایسا ہو جائے گا؟

شہریار:- اور تم اس سے زیادہ اس سے کیا چاہتے ہو؟ وہ تمھاری طرح دل

اور خیال کی زبان کو سمجھتا نہیں۔

قمر:۔ میری طرح؟

شہریار:۔ (بات کو جاری رکھتے ہوئے)
جب تک اس کے پاس جسم ہے وہ لازماً جدائی سے متاثر ہوگا لیکن
یہ تاثر صرف جدائی کی گھڑی تک برقرار رہے گا۔ اگر یہ اس سے
کچھ زیادہ ہوا تو فضول اور لغو ہے اور ساتھ ہی ساتھ غیر فطری ہے

قمر:۔ (بادشاہ کی طرف خاموشی سے دیکھتے ہوئے ...)؟

شہریار:۔ (عزم و حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے) اور ہم بھی اسی طرح ہیں
آؤ قمر سفر کو جاری رکھیں، سفر... سفر...

قمر:۔ (اس کی طرف دیکھ کر ترش روئی سے دہراتے ہوئے) سفر... سفر... سفر...

شہریار:۔ (ٹھہر کر) میری طرف یوں کیسے دیکھ رہی ہو؟

قمر:۔ (غصہ میں طنز کرتے ہوئے) میں آپ سے متاثر ہوں،

شہریار:۔ وہ کیوں؟

قمر:۔ اس لیے کہ آپ دل کو محض باتوں سے خاموش کرنا چاہتے ہیں۔

پانچواں منظر

بادشاہ کا محل : سنسان و تاریک رات

شہزاد :- (لیٹی ہوئی کچھ سوچ رہی ہے) ؟

غلام :- (کھڑکی کے راستے سے چڑھتے ہوئے) ؟

شہزاد :- (خوفزدہ ہوکر) کون ہے ؟

غلام :- (آہستہ سے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتا ہے) ڈرو نہیں! یہ میں ہوں

شہزاد :- کس نے تمھیں یہ بتلایا کہ میں یہاں ہوں ؟

غلام :- (اس سے قریب ہوکر) تمھاری خوشبو نے، پھر اس کھڑکی نے یہ تبلایا کہ اس کے پیچھے کوئی جسم محبت کا پیاسا ہے۔

شہزاد :- مجھے چھونا نہیں! یہاں سے چلے جاؤ ....

غلام :- (اسے غور سے دیکھتے ہوئے) تم کتنی خوبصورت ہو! تم یقیناً ایک خوبصورت جسم ہو!

شہزاد :- (مسکراکر) تم بھی اپنے دل کے آئینے میں مجھ کو دیکھ رہی ہو۔

غلام :- میں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔

شہزاد :- حقیقت کو اپنی جگہ پر پرسکون رہنے دو یہاں سے چلے جاؤ ....

غلام :- آج کی شام تم اپنی خوابگاہ چھوڑ کر یہاں کیوں چلی آئی ہو ؟ آج کی

رات یہ چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟ کیا تمہیں اس کی جدائی کا غم ہے۔

شہرزاد:۔ میں اس محل میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی

غلام:۔ کس چیز کا ڈر ہے۔

شہرزاد:۔ مجھے شوہر کی فکر نہیں ہے۔

غلام:۔ تم جانتی ہو کہ اس وقت وہ کہیں مصر یا ہندستان کے راستے میں ہوگا۔ پھر بھی اگر وہ یہاں اس گھڑی آجائے تو تمہارے خیال میں وہ کیا کرے گا؟

شہرزاد:۔ ایسا نہ کہو۔

غلام:۔ کیا تم نے اسے یہ سکھلا دیا ہے کہ اب وہ کبھی حبشی غلام کو دیکھ کر قتل نہ کرے

شہرزاد:۔ نہیں۔

غلام:۔ اے مکارہ! تم ایسا چاہتی نہیں ہو...

شہرزاد:۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر تم پر ترس کھائے میرے محبوب! کیا تمہیں اس پر یقین ہو سکتا ہے؟

غلام:۔ اے دھوکا باز! میں تیرا محبوب نہیں۔

شہرزاد:۔ تو پھر کون ہے؟

غلام:۔ وہ بدقسمت جسے تم جلد ہی دغا دوگی۔

شہرزاد:۔ کیا میرے خلاف تمہارے دل میں ایسا خیال بھی آتا ہے؟ اگر میں تم سے دغا کرنا چاہتی تو تمہیں یہاں بلاتی ہی کیوں

غلام:۔ میرا دل کہتا ہے کہ تم میرے خلاف کوئی سازش کر رہی ہو۔

شہرزاد:۔ تمہارا دل جھوٹا ہے

غلام:۔ کیا تم جیسی عورتوں کا کسی ذلیل غلام سے پیار کرنا ممکن ہے؟

شہرزاد:۔ کیا شہریار کی پہلی بیوی نے ایسا نہیں کیا تھا؟

غلام :۔ (اس کے جسم اور اپنے جسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ سفیدی اور یہ نرمی و نزاکت ..... اور یہ سیاہی اور یہ سختی ...!

شہزادہ :۔ (مسکرا کر) سفید، نرم و نازک پھول کالی سخت مٹی سے ہی اُگتے ہیں،

غلام :۔ اور میری بدصورتی اور بدذاتی .....!

شہزاد :۔ تمھارے لیے سیاہی، بدذاتی اور بدصورتی ہی مناسب ہے۔ میں ہمیشہ رہنے والی ان صفتوں کو پسند کرتی ہوں .....!

غلام :۔ یہ شہوت کی علامتیں ہیں

شہزاد :۔ قریب آجا۔

غلام :۔ مجھے لگتا ہے کہ تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو، تمھارے لیے کسی سے پیار کرنا ممکن نہیں ہے۔

شہزاد :۔ میرے دل سے تمھارا کیا واسطہ؟

غلام :۔ تم مجھ سے صرف کھیل رہی ہو، مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔

شہزاد :۔ تم وہمی ہو۔

غلام :۔ اور تمھارا شوہر؟

شہزاد :۔ اس سے تمھیں کیا لینا دینا؟

غلام :۔ محل کے اس حصے میں آج کی رات تم کیوں آئی ہو؟ شاید تم اسی کے بارے میں سوچ رہی ہو۔

شہزاد :۔ ہاں، میں چاہتی ہوں کہ وہ لوٹ آئے۔

غلام :۔ اچھا!

شہزاد :۔ تم سے میری طبیعت بھر جائے اس سے پہلے پہلے میں اس کی واپسی چاہتی ہوں

غلام :۔ میں سمجھا نہیں۔

شہزاد:۔ یعنی یہ کہ اگر شہریار لوٹ کر آئے تو تمہیں رات کے اندھیرے میں دیکھے
اور لوگ سو رہے ہوں

غلام:۔ اندھیرا.....!

شہزاد:۔ ہاں میرے محبوب! اگر زندگی چاہتے ہو تو اندھیرے میں سانپوں کی
طرح چکر لگاؤ، صبح سے بچو تاکہ تمہیں قتل نہ کر دیا جائے.....!

غلام:۔ اگر بادشاہ دیکھ لے؟

شہزاد:۔ بلکہ میں..... میری بھی یہی خواہش ہے کہ تم اندھیرے میں رہو۔

غلام:۔ سمجھ گیا تمہاری محبت بڑی بری چیز ہے۔ تم علانیہ اور کھلم کھلا اپنی
جسمانی خواہش کو اس طرح سے مار رہی ہو جیسے کہ سورج کی روشنی بعض
کیڑے مکوڑوں کو مار ڈالتی ہے۔

شہزاد:۔ (جب غلام اسے زور زور سے جھنجھوڑتا ہے تو وہ اسے دھکا دے کر
دور کر دیتی ہے) اس طرح سے مجھے نہ جھنجھوڑو۔

غلام:۔ مجھے اپنی موت قریب نظر آ رہی ہے اور تم میری قاتلہ ہو۔

شہزاد:۔ یہ خیالات تمہارے دل میں کیسے آتے ہیں؟

غلام:۔ کیا تمہیں نے اپنے شوہر سے اس غلام کا قصہ نہیں بیان کیا ہے جو اچانک
ایک عورت کی خواب گاہ میں گھس گیا تھا اور نتیجے کے طور پر اسے اس
طرح قتل کر دیا گیا جیسے کہ جسم کے کسی حصے میں سانپ کو دیکھ کر اسے
قتل کر دیا جاتا ہے۔

شہزاد:۔ ہاں، ایسا تو ضرور ہوا لیکن کیا اب بادشاہ کے اندر اتنی سکت ہے کہ
وہ کسی غلام کو قتل کر دے؟

غلام:۔ وہ کیسے نہیں؟

شہزادہ:۔ تمھیں معلوم ہو کہ غلام کو کس طرح قتل کیا جاتا ہو؟
غلام:۔ کیسے؟
شہزادہ:۔ اسے آزاد چھوڑ کر
غلام:۔ (ہنستا ہے) ؟
شہزادہ:۔ تم ہنس رہی ہو؟
غلام:۔ تم کتنی عقلمند ہو!
شہزادہ:۔ میں مذاق یا مکاری نہیں کر رہی ہوں۔
غلام:۔ تو کیا تم اسے حقیقت سمجھتی ہو؟
شہزادہ:۔ ہاں، بادشاہ ابھی تک بچّہ ہے، اب تو اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ کسی غلام کو کیسے قتل کیا جاتا ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ ہندوستان میں پر دہشت اور بچاری سانپوں کو کیسے مارتے ہیں...... وہ یوں کہ انھیں سمندروں میں آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔
غلام:۔ تو بادشاہ کو تم نے یہ طریقہ کیوں نہیں سکھلایا؟
شہزادہ:۔ میں نہیں سمجھتی کہ اسے اس گھڑی کچھ سیکھنے کی ضرورت ہو۔
غلام:۔ کیا اس نے اپنی پہلی بیوی اور اس کے کالے عاشق کو بستر پر ہی قتل نہیں کر دیا تھا؟
شہزادہ:۔ وہ پہلے کا شہریار تھا اب جو شہریار ہے وہ بالکل مختلف انسان ہو ایک ایسا انسان جس نے ایک لمبی مدت گوشت و پوست کے محل میں گذاری اور جس کے لیے ہر صبح ایک دوشیزہ ذبح کی جاتی تھی وہ آج ایک ایسی شخصیت کے روپ میں ڈھل گیا ہو جسے جسم اور مادہ جیسے الفاظ میں کوئی جان نظر نہیں آتی آج وہ ہر اس چیز سے

بھاگنا چاہتا ہے جس پر مادہ اور جسم کا اطلاق ہوتا ہے۔

غلام :۔ (ہونق کی طرح) بھاگ کر کہاں جانا چاہتا ہے؟

شہرزاد :۔ وہ خود نہیں جانتا کہ کہاں یہی تو اس بیچارے کا بنیادی المیہ ہے

غلام :۔ وہ اس وقت کہاں پہ ہے!

شہرزاد :۔ زمین کو چھوڑ دیا اور آسمان پہ پہنچا نہیں۔ وہ آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے۔

چھٹا منظر

خان ابی میسور میں

ابو میسور:۔ (آرام دہ بستر پر لیٹے ہوئے جلاد کو حکم دیتے ہوئے)
او فقیر جلاد! اٹھ۔ یہ تیری جگہ نہیں ہے۔ دروازہ پر بصرہ کے
دو مالدار تاجر کھڑے ہوئے ہیں۔ اٹھ اور جلدی سے جگہ خالی کر،

جلاد:۔ (کسی جنبش کے بغیر)
کس نے تمھیں یہ بتلایا کہ میں یہاں ہوں؟

ابو میسور:۔ کیا تم یہاں نہیں ہو؟

جلاد:۔ ہرگز نہیں

ابو میسور:۔ میں سمجھا کہ تم یہیں ہو۔

"واپس جاتا ہے اور دو تاجروں کو ساتھ لاتا ہے
.... اور وہ دونوں شہریار اور قمر ہیں"

دونوں معزز مہمانوں کے لیے راستہ چھوڑ دو!

قمر:۔ (چپکے سے بادشاہ سے کہتا ہے)
اتنے طویل سفر کے بعد اس غلیظ جگہ پر آنا کیا ہماری شان کے خلاف
نہیں ہے؟

شہریار۔ چپ چاپ میرے پیچھے پیچھے آؤ ....
قمر:۔ کیا اس مکان میں ہم جیسوں کا ٹھہرنا مناسب ہی؟
شہریار:۔ کس چیز نے آخر تمھیں میرا ساتھ دینے پر مجبور کیا تھا؟
ابومیسور:۔ (قالین کے کنارے ان دونوں کی پیشوائی کرتے ہوئے)
آہستہ .... آہستہ دونوں صاحبان چلے آئیں۔
قمر:۔ دیکھئے حضور! یہ کیا کہ رہا ہی۔
ابومیسور:۔ کنارے کنارے سے احتیاط کے ساتھ چلے آئیے ورنہ آپ دونوں
حضرات کے جوتے بھیگ جائیں گے ....
قمر:۔ (چپکے سے)
تعجب ہی! قالین کو سمندر خیال کرتا ہی ....!
شہریار:۔ چپ رہو، قمر! بس پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ وہ تم سے زیادہ دیکھتا ہی
قمر:۔ کیا آپ مذاق کر رہی ہیں؟
شہریار:۔ سرائے کے مالک! ہمیں بٹھا بھی دو
ابومیسور:۔ (آرام دہ بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)
تشریف رکھیں ...
شہریار:۔ (جلاد کو دیکھ کر)
اس پر یہ کون آدمی سویا ہوا ہی؟
ابومیسور:۔ آدمی؟ کہاں؟؟
شہریار:۔ بستر پر کیا تم دیکھ نہیں رہی ہو؟
ابومیسور:۔ آدمی؟ ہمارے بستر پہ کوئی آدمی کیسے پہنچ سکتا ہی ہمارا بستر
تو سب سے زیادہ صاف و ستھرا ہے۔

شہریار۔ (مکان کی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)
شاید وہ ہوا کے ساتھ اس کھڑکی کے راستے سے آیا ہے
ابومیسور:۔ (اپنا جوتا نکالتا ہی)
؟
شہریار:۔ یہ کیا کر رہے ہو؟
ابومیسور:۔ میں اسے جوتے سے مار ڈالوں گا
شہریار:۔ نہیں، ہاتھ میں اٹھا کر باہر پھینک دو۔
ابومیسور:۔ (جلاد کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے)
تعجب ہے؟
شہریار:۔ کس چیز پر؟
ابومیسور:۔ آدمیوں کی طرح اس کے پاس صرف پنڈلیاں ہیں۔
شہریار:۔ ابومیسور! تمہیں دھوکا ہوا ہی یہاں صرف پیر کیسے آ سکتا ہی؟
ابومیسور:۔ (جلاد کی پنڈلی کو ٹٹولتے ہوئے)
آپ نے صحیح فرمایا تو پھر یہ کیا؟
جلاد:۔ (کسی جنبش کے بغیر) اسے نہ چھوؤ اس کا مالک اس وقت غائب ہی،
قمر:۔ حضور! یہ آپ کا پرانا جلاد ہی
شہریار:۔ وہ کہاں غائب ہی؟ تمہیں یہاں اس کی صرف پنڈلی کیسے نظر آ رہی ہی؟
جلاد:۔ اس نے اسے یہاں بو دیا ہی۔ کیا پنڈلی کو صرف چلنے کے لیے بنایا گیا ہی؟
شہریار:۔ تعجب ہی! تو پھر پنڈلی کو کس لیے بنایا گیا ہی؟
جلاد:۔ تاکہ زمین میں ان کی کاشت کی جائے اور اس میں جڑ، ڈالیاں اور پتے ہوں۔

ابومیسور:۔ تو اس گنگر مٹی اس بے پھل درخت کا مالک کہاں ہے؟
جلاد:۔ ابھی ابھی وہ لوٹ کر آیا ہے اور نہاں دوسرے بڑے ہال میں ہے
تو میں اس کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔۔۔۔
"جلاد اٹھ کر چلا جاتا ہے"
ابومیسور:۔ (خالی بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)
لیجیے اس چڑیا کے دونوں پر بلند ہو گئے۔۔۔؟
(وہ بھی واپس چلا جاتا ہے)

قمر:۔ چڑیا؟ کون سی چڑیا۔۔۔۔؟
شہریار:۔ (بستر پر بیٹھتے ہوئے) رخ نامی پرندہ۔۔۔۔
قمر:۔ آپ مذاق کر رہے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ آپ کا اس جگہ آنا بھی مذاق سے کم نہیں۔ کیا آپ کو ان نیم پاگلوں کی گفتگو اچھی لگتی ہے؟ ادھر دوسرے ہال میں دیکھیے وہ کس طرح مکان کی دیوار کی ٹیک لگا کر پڑے ہوئے ہیں بخدا وہ آدمیوں کی بہ نسبت کھجور کے گڑے ہوئے تنوں سے زیادہ مشابہ ہیں۔
شہریار:۔ یہ کیا ہی اچھے لوگ ہیں! اپنے جسموں سے فرار حاصل کر رہے ہیں۔
قمر:۔ کیا صرف اسی خاطر ہم نے اپنے گھر بار اور اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر ملکوں ملکوں کی خاک چھانی ہے؟ کیا یہیں پر ہمارے سفر و سیاحت کا خاتمہ ہو گا؟
شہریار:۔ ہمارا سفر؟ چپ رہ بے وقوف! ہم نے تو ابھی تک کوئی جنبش ہی نہیں کی ہے۔
قمر:۔ (اس کی طرف مڑ کر دیکھتے ہوئے)

شہریار :- میرے مالک . . .
شہریار :- قمر! ڈرو نہیں۔ کیا تم مجھے مجنوں سمجھ رہے ہو؟ ہرگز نہیں میں مجنوں نہیں ہوں . . . .
(اپنی پنڈلیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے)
تم یہ کیسے کہتے ہو کہ ہم لوگوں نے سفر کیا ہو جبکہ یہ بندھن ابھی تک ہمیں زمین سے باندھے ہوئے ہیں؟
قمر :- (اٹھتے ہوئے)
خدارا ایسی باتیں نہ کریے۔
شہریار :- بیٹھو۔
قمر :- میں ایک لمحہ بھی یہاں رک نہیں سکتا۔ میں اب ان حماقتوں میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گا۔
شہریار :- یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم اس کے شوق دید میں جل رہے ہو۔
قمر :- آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟
شہریار :- یہ کہ تم اس کے پاس فوراً پہنچ جانے کے لیے بے قرار ہو۔ بالآخر تم وہیں پہنچ گئے جہاں سے چلے تھے۔
قمر :- میں ؟؟
شہریار :- یہ انکار کیسا؟ بے قراری تمہارے چہرے سے ظاہر ہے۔ قمر! مجھے واقعی تم پر رشک آتا ہے۔ کیا تمھارے لیے یہ موزوں نہیں ہے کہ تم میرے جمود و خمود پر میری ملامت کرو؟
قمر :- بالکل صحیح۔ آپ کا دل کس قدر مرچکا ہے!
شہریار :- کیا صرف اسی لیے تم مجھ سے سختی کا رویہ رکھتے ہو؟

قمر:۔ آپ نے درست فرمایا ایسا کم ہی ہوتا ہو کہ کوئی شخص ایک طویل مدت اور عرصہ کی طویل جدائی کے بعد یہ جان لے کہ وہ اور اس کی بیوی ایک ہی شہر میں ہیں پھر اس جگہ پہ لڑکھڑاتا ہوا چلا آئے۔

شہریار:۔ (مسکرا کر)
اس کے باوجود میں تمہارے مقابلہ میں اس سے زیادہ محبت کرتا ہوں

قمر:۔ (کانپ اٹھتا ہے)
؟

شہریار:۔ تم اپنے دل ہی دل میں کیا کہہ رہے ہو؟

قمر:۔ (خاموش رہنے کی کوشش میں)
میرے آقا! آئیے چلیں۔

شہریار:۔ قمر! کیا میں نے تم سے اس کے پہلو میں ٹھہرنے کی گذارش نہیں کی تھی تو پھر کیوں بھاگ کر میرے ساتھ چلنے کے لیے آ گئے؟ اور ایسی ایسی مشکلات و مصائب کو جھیلنا گوارا کیا جن کے لیے تم موزوں نہیں ہو...؟

قمر:۔ میں خود نہیں جانتا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟

شہریار:۔ کیا اس گھڑی تمھیں اس پر پچھتاوا ہو؟ اب جان گئے کہ سفر کا وہ نتیجہ نہیں نکلا جو تم چاہتے تھے؟

قمر:۔ (مضطرب ہو کر)
میں کیا چاہتا تھا؟

شہریار:۔ بیچارے قمر! اس کا سایہ روئے زمین کے ہر حصے میں تمہارا پیچھا کرتا رہا ہو اور اس کی صورت تمھیں ہر جگہ نظر آتی رہی۔ مصر میں ایزیس نامی مجسمہ کے سامنے کیا تم اپنی وہ چیخ بھول گئے جس نے تمام

لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔

قمر:۔ ایزیس!

شہریار:۔ کیا تم بھول گئے؟

قمر:۔ آپ نے ہی تو کہا تھا کہ ایزیس اس سے بہت زیادہ مشابہ ہو۔

شہریار:۔ مجھے اس بات سے انکار نہیں، لیکن.....

قمر:۔ کسی محیر العقول مشابہت پر کیا میں اپنے تعجب و حیرت کا اظہار بھی نہیں کر سکتا؟

شہریار:۔ تو کیا بیدیا بھی اسی جیسی کوئی عورت تھی کہ جس کے مجسمے کے سامنے تم ہندوستان میں چیخ اٹھے تھے؟

قمر:۔ بیدیا؟ جی ہاں، بیدیا کی آنکھیں صفائی اور چمک میں ہو بہو اس کی آنکھوں کے مشابہ تھیں۔

شہریار:۔ اچھا! تمہارے نزدیک اب ہر چیز شہرزاد ہو گئی؟

قمر:۔ (بپھر کر) میرے مالک.....

شہریار:۔ کیا میری حقیقت بیانی تم پر گراں گزر رہی ہے؟

قمر:۔ میرے حضور.....

شہریار:۔ قمر! یہ چہرے کی رنگت کیوں اڑ گئی ہو؟..... بیماروں کی طرح کانپ کیوں رہے ہو؟

قمر:۔ (بگڑ کر)

آج کے بعد آپ مجھ سے ایسی باتیں نہ کریں اور نہ ہی ابھی جو کچھ کہا ہے اسے دوبارہ کہیں..... میں ملکہ معظمہ کو اس نگاہ سے دیکھتا ہوں جس نگاہ سے ایک آتش پرست آگ کو دیکھتا ہے۔

شہریار:۔ (پُرسکون ہو کر مسکراتے ہوئے)
میں یہ جانتا ہوں بچے! اپنے غصہ کو قابو میں رکھ، کس نے تم سے یہ کہا کہ میرا مطلب اس کے سوا کچھ اور تھا؟.... واقعتہً تم اس سے ایسا ہی پیار کرتے ہو جیسے کوئی خوبصورت مرد کسی حسین عورت کو چاہتا ہے۔

قمر:۔ میرے حضور.... میرے حضور....

شہریار:۔ اے کاش کہ ایسا ہی ہوتا

قمر:۔ آپ نہیں سمجھتے......

شہریار:۔ میں اس آتش پرست پروانے کو اچھی طرح جانتا ہوں جو آگ کے علاوہ کچھ اور دیکھنا نہیں چاہتا۔ وہ تو اسی کا ایک جزء بن کر اس سے چمٹا رہنا چاہتا ہے اس سے الگ ہو کر وہ کہیں بھاگ نہیں سکتا تا آنکہ اسی میں جل کر راکھ ہو جائے۔

قمر:۔ میرا مذاق نہ اڑائیے۔

شہریار:۔ میں تمھارا مذاق نہیں اڑا رہا ہوں بلکہ تمھیں چاہتا ہوں تمھیں معلوم ہے قمر! کہ میں ہمیشہ تم سے محبت کیوں کرتا ہوں؟

قمر:۔ (کچھ دیر اس کی طرف خاموشی کے ساتھ دیکھتا ہے)؟

شہریار:۔ (بات کو جاری رکھتے ہوئے)
اس لیے کہ میں تمھیں چومے بغیر تم سے محبت کر سکتا ہوں۔

قمر:۔ آپ کس طرح کے آدمی ہیں؟

شہریار:۔ (اپنے جسم کی طرف اشارہ کر کے)
ایسا آدمی جو اس سے بلند ہو چکا ہے

قمر:۔ فضول بات

شہریار:۔ تمھارے لیے ہر چیز معاف ہو۔ اس لیے کہ اب میں تمھاری جنس میں نہیں رہ گیا۔

قمر:۔ دوسری لغو بات

شہریار:۔ (اس کی نگاہیں دیوار پہ ہیں)
کوئی بات نہیں، قمر! مکان کی دیوار کی طرف دیکھو اس پہ یہ کیا چیز ٹنگی ہوئی ہو؟ کیا یہ میرے جلاد کی تلوار نہیں ہو؟

قمر:۔ (تلوار کو غور سے دیکھ کر)
شاید یہ قسمت کی تلوار ہو۔ کتنے جسموں کو اس نے کاٹ ڈالا ہو اور اس کی دھار سے کس قدر خون بہ چکا ہے

ابومیسور:۔ (سامنے آتا ہے)
تعجب ہو! میں یہاں حقہ پانی کچھ بھی نہیں دیکھ رہا ہوں۔

شہریار:۔ تو کیا تم نے ہمارے لیے بھیجا بھی تھا؟

ابومیسور:۔ (نگاہیں ادھر ادھر گھماتے ہوئے)
اس کنگال جلاد کا برا ہو۔ مالداروں کے اسباب تعیش کو لے کر کہیں چلا گیا

شہریار:۔ (ٹنگی ہوئی تلوار کی طرف اشارہ کر کے)
ابومیسور! یہ تلوار تمھارے پاس کون لے آیا؟

ابومیسور:۔ اس تلوار کو جلاد نے مجھے ایک قرض کے عوض دیا ہے۔

قمر:۔ اب اس تلوار کی کیا قیمت لو گے؟

شہریار:۔ قمر! کیا تم اسے خریدنا چاہتے ہو؟ اس کا کیا کرو گے؟

قمر:۔ (ابومیسور کو روپے دیکر خاموشی کے ساتھ تلوار لے لیتا ہو) ؟

شہریار:۔ ابومیسور! کیا تم چاہتے ہو کہ ہم یہاں سے مطلوبہ چیز کو حاصل کیے بغیر
رخصت ہو جائیں؟

ابومیسور:۔ (گلا پھاڑ کر چیختا ہے)
جلاد! تمھاری گمراہ روح کی قسم! میں نے تم سے زیادہ بے شرم
کسی کو نہیں دیکھا کیا تم مالداروں اور امیروں کے حقوق کا استعمال
کرو گے؟

جلاد:۔ (دوسرے کمرے سے)
کیا ہرج ہے میں بھی تو مالداروں میں ہوں۔

ابومیسور:۔ کس نے تم سے یہ کہہ دیا۔ تم تو ہندوستانی مُردوں سے بھی زیادہ قلاش ہو

جلاد:۔ کیا تم اپنے گھر کو سونے سے بھرنا چاہتے ہو؟

ابومیسور:۔ وہ کب؟

جلاد:۔ اگر چاہو تو آج کی ہی رات جتنے برتن تمھارے پاس ہیں سب کو لاؤ میں
انھیں ایسے سونے سے بھر دوں گا جو ہندستانی مردوں کے جسموں
کی راکھ سے زیادہ کھرے ہیں۔

ابومیسور:۔ اتنی دولت تمھارے پاس کہاں سے آگئی؟

جلاد:۔ میرے دوست "غلام" کے ذریعہ

ابومیسور:۔ تمھارا دوست غلام! کیا وہ زندہ ہے؟

جلاد:۔ تھوڑی دیر میں وہ یہیں پہنچ رہا ہے۔

ابومیسور:۔ جس دن سے بادشاہ شہر سفر پہ روانہ ہوا ہے اس کی کچھ خیر و خبر
نہیں ملی۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

جلاد:۔ وہ اس ریشمی بستر میں تھا جس پہ ملکہ سوتی ہے

قمر:۔ (غصہ سے بپھر کر اٹھنے کا ارادہ کرتا ہے) ؟
شہریار:۔ (قمر اور جلاد کے درمیان آکر)
قمر! کیا تم پاگل ہو گئے ہو ؟
ابومیسور:۔ (جلاد سے)
تعجب ہی! کیا تم اپنے اس دوست غلام کی باتیں کر رہی ہو جو یہاں
اکثر آتا تھا اور تم اس پر رغوب پیسے خرچ کرتے تھے ؟
جلاد:۔ وہ اس وقت نازنین شہرزاد کا معشوق ہی۔
قمر:۔ (یہ سنتے ہی بے قابو ہو کر جلاد پر جھپٹ پڑتا ہی)
اے غلیظ اور گندے کتے! اے وحشی دیوانے!
ابومیسور:۔ (گھبرا کر دیکھتے ہوئے) ؟
شہریار:۔ (قمر کے غصہ کو شانت کرتے ہوئے ابومیسور کو مخاطب کرتا ہی)
ابومیسور! میرے دوست کا دل درحقیقت انتظار کرتے کرتے گھبرا گیا ہی
ابومیسور:۔ مگر جلدی کرنے کا یہ کوئی مناسب طریقہ نہیں ہی، قریب تھا کہ یہ آپے
سے باہر ہو جاتا۔
شہریار:۔ خیر! ہم دونوں جا رہے ہیں۔
ابومیسور:۔ تھوڑا صبر کیجیے! میں آپ لوگوں کی راحت کے لیے کوئی دوسرا انتظام
تیزی کے ساتھ کرتا ہوں۔
(تیزی کے ساتھ واپس مڑتا ہے)
شہریار:۔ (اپنے وزیر سے)
قمر! تمھیں کیا ہو گیا ہی ؟ تم پر کون سا بھوت سوار ہو گیا ہی ؟
قمر:۔ ؟

شہریار:۔ تمھارے چہرے کا رنگ کیوں متغیر ہو گیا ہے؟

قمر:۔ ؟

شہریار:۔ قمر! تم میری طرف ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟

قمر:۔ تم بد قسمت ہو!

شہریار:۔ اپنے دل کو قابو میں رکھو، قمر! کسی اشتعال اور جذبہ کے بغیر مجھ سے بات کرو۔

قمر:۔ میں آپ کو اس حد تک بدبخت نہیں سمجھتا تھا

شہریار:۔ (ہنستا ہے) کس حد تک؟

قمر:۔ (دزدیدہ نگاہ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے)
آپ ہنس رہی ہیں!

شہریار:۔ پھر بھی میں تم سے قمر! محبت کرتا ہوں۔

قمر:۔ خالق کائنات کی قسم! میں نے کبھی آپ کو اتنا کمتر اور ذلیل نہیں سمجھا جتنا کہ اس وقت میں سمجھ رہا ہوں۔

شہریار:۔ کوئی ہرج نہیں۔

قمر:۔ (بگڑ کر) میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ اس دم بظاہر پرسکون اور بے حس ہونے کی کوشش کر رہی ہیں اور آدمیت اور فطرت سے بلند ہو کر اوہام و خیالات میں گم ہیں لیکن آپ ایک انسان، ایک ذلیل اور گھٹیا انسان ہیں ....

شہریار:۔ کوئی بات نہیں۔

قمر:۔ "کسی چیخ و پکار کے بغیر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے"
میرے مالک ....

شہریار:۔ قمر! کیا تم رو رہی ہو؟
قمر:۔ ؟
شہریار:۔ اے میرے دوست، قمر!
قمر:۔ میرے مالک ....
شہریار:۔ گھبراؤ نہیں۔
قمر:۔ کیا وہ ایسا کر سکتی ہیں؟ کیا وہ اس جرم کا ارتکاب کر سکتی ہیں؟ یہ بہتان ہے
بلاشبہ یہ سراسر بہتان ہے۔
شہریار:۔ پہلے اپنے آنسو پونچھو، تم میری طرح گھٹیا انسان نہ ہو، آنکھیں پونچھ ڈالو!
قمر:۔ کیا مجھ پر ہنس رہے ہیں؟
شہریار:۔ معاذ اللہ! کیا تمہاری نظر میں میں اس لائق ہوں کہ کسی انسان کے
دل کی ہنسی اڑاؤں؟
قمر:۔ (اچانک)
میرے حضور! اگر جو کچھ ہم نے سنا ہے وہ صحیح نکلا تو؟
شہریار:۔ ایسی بات نہ کہو، قمر! کیا تمہاری عقل میں یہ بات آتی ہے کہ شہرزاد جیسی
عورت کسی غلام کی باہوں میں مستی لے گی؟ اور وہ بھی آتش پرست
غلام کی باہوں میں نہیں بلکہ ایک سیاہ فام گندے غلام کی؟
قمر:۔ فرض کیجئے کہ بات صحیح ثابت ہوئی تو آپ اپنا فرض ضرور نبھائیے گا
میرے حضور!
شہریار:۔ کون سا فرض؟
قمر:۔ (جلاد کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے) جو کچھ آپ نے اپنی پہلی بیوی کے
ساتھ کیا تھا....

شہریار:۔ کسی وقت میں تم جیسا تھا

قمر:۔ کیا مطلب ؟

شہریار:۔ قمر! کیا حقیقتہً تم اس سے محبت کرتے ہو ؟ تم یقیناً وہی ہو تم اس سے محبت نہیں کرتے ہو....

قمر:۔ میرے حضور.....

شہریار:۔ (قمر کے جسم کی طرف اشارہ کر کے)
بلکہ یہ ہے جو اس سے محبت کرتا ہے۔

ساتواں منظر

شہرزاد کی خوابگاہ

شہرزاد:۔ (اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے غلام سے) کیوں؟ اتنا خاموش کیوں ہو؟

غلام:۔ تم نے آج کی رات مجھے کیوں بلایا ہے؟

شہرزاد:۔ (مسکرا کر)

تاکہ شہریار تمھیں تھوڑی دیر بعد یہاں موجود دیکھ لے۔

غلام:۔ اور پھر مجھے آستین کا سانپ سمجھ کر مار ڈالے؟

شہرزاد:۔ نہیں، تمھیں اب وہ ہرگز نہیں مارے گا۔

غلام:۔ آخر تو میری جان سے کیوں کھیل رہی ہے؟

شہرزاد:۔ پرسکون رہو تم محفوظ ہو۔

غلام:۔ میرا خیال سچ نکلا کہ تم ایک زمانہ سے پرانے افسوس ناک واقعہ کے دہرانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہو۔

شہرزاد:۔ کون سا پرانا افسوس ناک واقعہ؟

غلام:۔ شہریار کی بیوی کے کمرے میں ایک غلام کے قتل کا واقعہ اسی لیے آج کی رات تم نے مجھے پھر یہاں بلایا ہے۔

شہرزاد:۔ ٹھیک ہے، میں دراصل یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ شہریار کس حد تک بدل

بدل گیا ہے۔

غلام :۔ اور میں اس تجربہ کی بھینٹ چڑھ جاؤں اس کی تمہیں کوئی فکر نہیں؟

شہرزاد :۔ اور میں بھی تو اس تجربہ ......

غلام :۔ اور تم؟

شہرزاد :۔ بدھو! اگر وہ قتل کرے گا تو دونوں کو ساتھ ساتھ قتل کرے گا،

غلام :۔ اور اگر معاف کرے گا تو صرف تمہیں کو

شہرزاد :۔ اپنی پہلی بیوی کو اس نے نہیں معاف کیا تھا۔

غلام :۔ (ایک لمحہ کے بعد)

تو پھر ہم دونوں کے دونوں مرے؟

شہرزاد :۔ بشرطیکہ اس نے قتل کیا۔

غلام :۔ کیا تمہیں اس میں کوئی شک وشبہ ہے؟

شہرزاد :۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو برباد ہو جائے گا۔

غلام :۔ میں سمجھا نہیں۔

شہرزاد :۔ (کان کھڑے کرتے ہوئے)

خاموش! شاید دروازہ پر دستک ...

غلام :۔ (جلدی سے اٹھتے ہوئے)

لو! موت آ گئی۔

شہرزاد :۔ گھبرا نہیں! اس پردے کے پیچھے جا چھپ جا...

(کمرے میں ایک سیاہ پردہ کی طرف اشارہ کرتی ہے)

غلام :۔ (پردے کی طرف دیکھ کر کانپ اٹھتا ہے)

اس کا رنگ بڑا منحوس ہے! مجھ سے کوئی کہہ رہا ہے کہ آج کی رات کسی کا سر

کھولا جائے گا۔
شہرزاد:۔ جلدی کر

(پردے کے پیچھے غلام چھپ جاتا ہے
شہرزاد جاکر دروازہ کھولتی ہے)

کون؟ اچھا! شہریار! تم؟
شہریار:۔ (کانپتی آواز میں)

ہاں......
شہرزاد:۔ کیا ہے؟ تم کانپ کیوں رہے ہو؟
شہریار:۔ یہ.... راستہ کی تکان کا نتیجہ ہے۔
شہرزاد:۔ (مسکرا کر)

نہیں، ایسا ملاقات کے سبب ہے جیسا کہ جدائی کی گھڑی تھا، کیا تمہیں یاد نہیں؟
شہریار:۔ (قدرے مایوس ہو کر)

شہرزاد! مجھے یاد ہے۔
شہرزاد:۔ (بستر کی طرف اسے لے جاتے ہوئے)

آؤ......
شہریار:۔ تمھاری جانب سے یہ عجیب خاموشی، سکوت اور یہ صفائی؟ ہائے افسوس کہ میں ان میں سے کسی ایک کو سمجھ سکتا....!
شہرزاد:۔ تم نے کتنا سفر کیا اور کتنے ملکوں کا دورہ کیا؟
شہریار:۔ نہ میں نے سفر کیا اور نہ دورہ
شہرزاد:۔ اچھا؟

شہریار۔ (کمرے میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے)
لو! اب میں اس محل میں دوبارہ آگیا، یہ میں کہاں آگیا؟ جہاں سے شروع کیا تھا وہیں؟ تیلی کے بیل کی طرح کہ جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے اور وہ چلتا ہی رہتا ہے، چلتا ہی رہتا ہے، چلتا ہی رہتا ہے یہ سمجھ کر کہ وہ کسی سیدھے راستے پر آگے بڑھ رہا ہے۔

شہرزاد۔ (ایک لمحہ کے بعد)
اور قمر؟

شہریار۔ (دروازہ کی طرف مڑ کر)
ارے! میں تو اسے بھول ہی گیا آؤ! قمر! قریب آؤ۔ یہ کیوں کمرے میں ہر طرف نگاہیں دوڑا رہے ہو؟ کیا کسی کو پالیا؟

قمر۔ میرے آقا......

شہریار۔ لو، یہ کمرے والی تمھارے سامنے ہے۔ ہم دونوں ساتھ ہی ساتھ اچانک اس کے پاس آ دھمکے ہیں، کیا کسی غلام کو تم نے اس کے پاس پایا؟

قمر۔ میرے آقا! میں آپ سے منت کرتا ہوں....

شہریار۔ بے فکر رہو قمر! شہرزاد کے جسم کو کوئی غلام چھو نہیں سکتا۔ شہرزاد تو کسی مورتی سے زیادہ مقدس اور آگ سے زیادہ پاک وصاف ہے، کیوں شہرزاد؟

شہرزاد۔ شہریار! تمھاری آمد کے وقت میں تمھارا بوسہ لینا بھول ہی گئی۔

شہریار۔ تم مجھے بوسہ دو گی؟

شہرزاد۔ جی ہاں۔

شہریار۔ اسے قمر کو دے دو۔

قمر:۔ (ناپسندیدگی کے ساتھ)

میرے حضور..... میرے مالک.....

شہریار:۔ ارے بے وقوف! اسے لے لے۔ بھلا کوئی شہزاد کا بوسہ لینے سے انکار کر سکتا ہے!

قمر:۔ (فوراً باہر جاتے ہوئے)

؟

شہریار:۔ بے وقوف بھاگ گیا۔

شہزاد:۔ (اپنے شوہر کی طرف دیر تک دیکھ کر)

شہریار! تم مجھ سے اپنے دل کی بہت سی باتوں کو پوشیدہ رکھتے ہو۔

شہریار:۔ میں کچھ نہیں پوشیدہ رکھتا۔

شہزاد:۔ کیوں نہیں؟ اس وقت تم کسی قدر خائف ہو۔

شہریار:۔ پہلے کے مقابلہ میں میں اس گھڑی زیادہ پر سکون ہو۔ کیا تمھیں ایسا نظر نہیں آ رہا ہے؟

شہزاد:۔ (کشش و پنج میں)

ہو سکتا ہے۔

شہریار:۔ تمھیں یہ نظر آ رہا ہو کہ میں سکون و اطمینان سے کوسوں دور ہوں؟

شہزاد:۔ اثنا دسفر کیا تم نے مجھے کبھی یاد بھی کیا؟

شہریار:۔ مجھے تمھاری یاد صرف آتے اور جاتے ہوئے محسوس ہوئی رہا درمیانی عرصہ تو میں اس میں زمان و مکان سے الجھا ہوا تھا۔

شہزاد:۔ مجھے بھلا کر؟

شہریار:۔ ہاں! میں نے ماضی کی ہر چیز کو بھلا دیا تھا بلکہ میں انھیں ایک ایسا

خواب سمجھتا تھا جو کبھی حقیقت نہ بن سکا۔ یہاں سے نکلنے کے فوراً بعد
میری زندگی زمان و مکان کے سانچوں میں ڈھل گئی تھی اور میرے ارد گرد
بس یہی دو چیزیں موجود تھیں۔

شہرزاد:۔ جس طرح سے کہ پانی برتن کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے؟

شہریار:۔ (افسردگی کے ساتھ)
شہرزاد کیا میں پانی کی طرح نہیں ہوں؟ پانی کی طرح ہمیشہ دوسری
چیزوں کا پابند؟ ہاں، میں صرف پانی ہوں۔ کیا میرے جسم کو محیط
اس زمان و مکان سے باہر میرا کوئی حقیقی وجود ہے؟ حد ہے کہ سفر
اور نقل مکانی بھی ایک برتن کے پانی کو دوسرے میں بدلنے کے مترادف
ہے اور جب ایسا ہے تو محض برتن بدلنے سے پانی کو کب آزاد قرار
دیا جا سکتا ہے۔

شہرزاد:۔ شہریار! محض سفر اور نقل مکانی تمہارے جسم کو آزاد نہیں کر سکتے۔

شہریار:۔ صحیح کہا

شہرزاد:۔ (ایک لمحہ کے بعد)
شہریار! تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے تمہاری غیر موجودگی میں کیا کیا؟

شہریار:۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں رہی۔

شہرزاد:۔ کیا تمہیں "میں کون ہوں" کے جاننے کی خواہش نہیں رہ گئی؟

شہریار:۔ تم ایک خوبصورت جسم ہو۔

شہرزاد:۔ ہرگز نہیں، یہ تم مجھے بنا رہے ہو۔

شہریار:۔ تم ایک بڑے عظیم الشان دل کے مانند ہو۔

شہرزاد:۔ یہ بھی نہیں۔

شہریار:۔ تو تم مجسم عقل و دانش ہو
شہرزاد:۔ اونہہ
شہریار:۔ تو مجھ میں ہو، ہم سب میں ہو اور پھر ہمارے علاوہ یہاں کچھ بھی نہیں ہو
ہم جہاں کہیں بھی گئے، وہاں ہمارے اور ہمارے عکس و خیال کے سوا کچھ
بھی نہ تھا گویا ساری کائنات میں بس ہم ہی ہم تھے۔ ہمارے گرد و پیش
اس بڑے آئینے میں ہماری صورتوں کے ماسوا کچھ بھی نہیں ہو میں واقعۃً
اس بلوریں قید خانہ سے تنگ آ گیا ہوں۔
شہرزاد:۔ جو کچھ تم کر رہی ہو اس سے راہِ نجات نہیں ملے گی۔
شہریار:۔ کون سی راہ نجات؟
شہرزاد:۔ میں نہیں جانتی
شہریار:۔ افسوس..... کہ تم صرف تم رہیں کچھ بھی نہیں بدلیں۔
شہرزاد:۔ اور تم ہمیشہ تم رہے بالکل نہیں بدلے۔
شہریار:۔ (قدرے خاموشی کے بعد)
یہ تسلیم کر لو، شہرزاد! کہ تمہیں نے مجھے اس انجام تک پہنچایا ہے
شہرزاد:۔ نہیں، یہ تو فطرت کا خاصہ ہے
(خاموشی.....)
شہریار:۔ (ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے)
شہرزاد! مجھے اپنے جسم کے جوڑوں میں سردی کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس
ہو رہی ہے،
شہرزاد:۔ شہریار! بیٹھ جاؤ۔
شہریار:۔ بالکل نہیں، میں بیٹھنا نہیں چاہتا مجھے اس زمین پر... ہمیشہ اسی زمین

پر بیٹھنا قطعاً پسند نہیں، اب صرف یہی زمین رہ گئی ہے اور کچھ نہیں؟
یہ قید خانہ جو گردش کرتا رہتا ہے؟ ہم نہ چلتے ہیں، نہ آگے اور
پیچھے بڑھتے ہیں اور نہ ہی بلند و پست ہوتے ہیں۔ محض ہم چکر لگاتے
ہیں۔ ہر چیز چکر لگاتی ہے اور اسی کو دوام اور ابدیت کہا جاتا ہے
واہ رے فریب! جب ہم فطرت سے اس کی کنہ و حقیقت کے بارے
میں پوچھتے ہیں تو وہ ہمیں گول مول جواب دے کر ٹال دیتی ہے،

شہرزاد:۔ (مسکراکر)
ہاں تم چکر ضرور لگاتے ہو لیکن فی الحال تو تمہاری گردش کی انتہا ہو چکی ہے
اصول گردش دوام کے لحاظ سے ہر انتہا کے پیچھے آغاز ہوتا ہے۔
شہریار:۔ کیا تمہیں یہ بات پہلے سے نہیں معلوم تھی؟
شہرزاد:۔ میں سمجھتا تھا کہ فطرت کے رموز اس سے کچھ زیادہ باریک اور پیچیدہ
شہریار:۔
ہیں۔

شہرزاد:۔ (مسکراکر)
اس حد تک تم فطرت کے بارے میں عیب جو ہو؟
شہریار:۔ وہ مجھ سے مجبور کر دینے والے اسلحہ یعنی قید خانہ کے ذریعہ جنگ
کرتی رہتی ہے جبکہ وہ خود اسی قید خانہ کے دائرہ میں گردش
کرتی ہے۔

شہرزاد:۔ (مسکراکر)
میں نہیں سمجھتی کہ وہ تمہیں پریشان کرتی یا تکلیف دیتی ہو گی کیونکہ
تم بھی فطرت کے سر کا ایک بال ہو۔
شہریار:۔ اور وہ بال جونہی سفید ہوا اس نے اسے اکھیڑ دیا۔

شہرزاد:۔ وہ بڑھاپے کو ناپسند کرتی ہے
شہریار:۔ اچھا؟
شہرزاد:۔ اسے اکھیڑتی اس لیے ہے کہ وہ دوبارہ نیا بن کر نکل آئے۔
شہریار:۔ جوان اور مضبوط بن کر؟
شہرزاد:۔ جی ہاں۔
شہریار:۔ تو گویا جو چیز بھی بڑی ہونے کو ہوتی ہے فطرت اسے چھوٹا بنا دیتی ہے
اور اس طرح ہر انجام کے پیچھے آغاز ہوتا ہے۔ لیکن یہ دائرہ، یہ سلسلہ
جس سے نکلنا ممکن نہیں کب تک جاری رہے گا؟
شہرزاد:۔ (ایک لمحہ کے بعد)
تم میں اور قمر میں کس قدر فرق ہے! کہ وہ زندگی کو وسیع اور فطرت کو
حسین تصور کرتا ہے۔
شہریار:۔ (آہ سرد کھینچتے ہوئے)
میں اس جگہ سے عاجز آ گیا ہوں
شہرزاد:۔ مجھ سے؟
شہریار:۔ (فضا کی طرف پھر اپنے جسم کی طرف اشارہ کرتا ہے)
اس جگہ سے، جسم سے اور اس جسم سے کہ جس نے اپنی جگہ کو ایسے ہی بنا
لیا ہے جیسے کہ پانی از خود برتن بنا لیتا ہے۔
شہرزاد:۔ شہریار! زندگی اس گھڑی تمھارے لیے کتنی مشکل ہے! کیا تھوڑی دیر کے
لیے تم خود پر اس کو آسان نہیں بنا سکو گے؟....
شہریار:۔ اس کا وقت گیا۔
شہرزاد:۔ زندگی کے علاوہ جو کچھ بھی ہے شہریار! اسے بھول جاؤ۔ پردے کو دیکھو

پردے کے پیچھے دھاگوں کے سوا کیا ہے اس پر نہ غور کرو۔۔۔۔

شہریار:۔ انھیں دھاگوں سے تو ہر پردہ بنتا ہے لیکن ۔۔۔۔۔

شہرزاد:۔ پس پردہ کی کسی چیز سے سروکار نہ رکھو۔

"خاموشی"

شہریار:۔ (بے پرواہی سے کالے پردے کو دیکھتا ہے ۔۔۔۔۔)

پردے کے پیچھے کی کسی چیز سے اب مجھے واسطہ نہیں۔

شہرزاد:۔ یہ پردہ؟ اس پردے کی جانب یوں کیسے دیکھ رہی ہو؟

شہریار:۔ سیاہ فام حبشی

شہرزاد:۔ ہاں، سیاہ فام۔

شہریار:۔ اندھیرے کا رنگ! کس قدر یہ رنگ ناپسندیدہ ہے۔۔۔۔

شہرزاد:۔ اسے قتل کرنے میں تمھیں کون سی رکاوٹ پیش آرہی ہے؟

غلام:۔ (اچانک پردے کے پیچھے سے چیختے ہوئے سامنے آتا ہے۔)

دھوکا باز! تو نے مجھے مار ڈالا۔

شہریار:۔ (پرسکون رہ کر)

شہرزاد کو رسوا نہ کر! شہرزاد کے رسوا کرنے والے کو میں پسند نہیں کرتا۔

غلام:۔ (ڈر کر)

میرے مالک! میرے حضور!۔۔۔۔

شہریار:۔ (غلام سے)

دور ہو جا۔

شہرزاد:۔ کیا تم مجھے اور اسے قتل نہیں کروگے؟

شہریار:۔ بالکل نہیں

غلام :۔ (اس جان بخشی پر خوش خوش باہر نکلتا ہی)

؟

شہرزاد :۔ شہریار!

شہریار :۔ میری طرف یوں کیسے دیکھ رہی ہو ؟

شہرزاد :۔ تم بالکل برباد ہو

شہریار :۔ کیا اس حقیقت سے ابھی تک تم آگاہ نہیں تھیں ؟

"محل کے باہر اچانک ہنگامہ اور بچاؤ بچاؤ کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ غلام دہشت زدہ ہو کر الٹے قدم واپس آتا ہے"

غلام :۔ بچاؤ! بچاؤ! وزیر....

شہریار :۔ وزیر ؟ قمر؟ اسے کیا ہو گیا ہے ؟

غلام :۔ جلاد کی تلوار! جونہی انھوں نے مجھے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا جلاد کی تلوار سے اپنا سر تن سے الگ کر لیا۔

شہریار :۔ قمر مر گیا....!

شہرزاد :۔ شہریار! گھبراؤ نہیں۔

شہریار :۔ قمر کا شعلہ حیات بجھ گیا۔

شہرزاد :۔ افسوس صد افسوس!

شہریار :۔ (ایک لمحہ کے بعد)

قمر سورج سے زندگی حاصل کرنے کے قابل نہیں رہا۔

شہرزاد :۔ کیونکہ سورج پر اس کا ایمان باقی نہیں رہا۔

شہریار :۔ ایمان؟

شہرزاد:۔ وہ ایک انسان تھا۔

شہریار:۔ ہاں ایک انسان تھا۔

شہرزاد:۔ اور تم شہریار! ....

شہریار:۔ میں؟ میں کون ہوں؟

شہرزاد:۔ آسمان و زمین کے مابین ایک معلق انسان جسے رنج و غم چاٹ رہے ہیں۔ میں نے چاہا کہ تم زمین پر لوٹ آؤ لیکن میرا تجربہ ناکام رہا۔

شہریار:۔ میں زمین کی طرف لوٹنا نہیں چاہتا۔

شہرزاد:۔ میں نے شہریار! تم سے کتنی بار کہا کہ زمین کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

شہریار:۔ (آگے بڑھتے ہوئے)

اچھا تو شہرزاد! سلام رخصت

شہرزاد:۔ کیا جا رہے ہو؟ مجھے ایک کوشش اور کرنے دو ....

شہریار:۔ خاموشی کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

؟

غلام:۔ (اس کی نگاہیں شہریار کا اس کے اوجھل ہونے تک پیچھا کرتی ہیں ...) چلے گئے۔

شہرزاد:۔ اس کے سامنے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

غلام:۔ قسم سے یہ اس کی بیویوں کے خون کا اثر ہے، اثر ہو اس کی بیویوں کے خون کا، خون بہانے کا زمانہ گیا، لیکن یہ آدمی اس کے پیچھے پیچھے نہیں گیا۔

شہرزاد:۔ (گویا خود سے مخاطب ہو)

چکر لگاتا رہا، چکر لگاتا رہا یہاں تک کی اپنی گردش کی انتہا پر پہنچ گیا

غلام :۔ (اچانک آگے بڑھتے ہوئے)
میں تمہارے پاس انہیں واپس لوٹا سکتا ہوں
شہزاد :۔ خیال و خواب! اب از سرِ نو تر و تازہ اور پُر نشاط جوان کے روپ میں پیدا ہو کر کوئی دوسرا شہریار یہاں آئے گا یہ شہریار تو ایک ایسے سفید بال کے مانند ہو چکا تھا جسے اکھیڑ لیا جانا ضروری تھا۔

تہی دامنی پر حیرت تو ضرور ہوتی ہے لیکن عہد حاضر کے عرب ڈراما نگاروں کے فن پاروں کی مقبولیت اور شہرت کو اگر سامنے رکھا جائے تو ہماری حیرت کا زاویہ یکسر بدل جاتا ہے۔ مشہور مستشرق "اسٹیکی" عربی ڈراموں کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"عرب ممالک کے درمیان ربط و اتصال پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ جدید عربی ڈراما بین الاقوامی سطح پر پذیرائی اور اعتبار حاصل کرنے کی راہ پر گام زن ہے۔ توفیق الحکیم کے بعض ڈراموں کا ترجمہ فرانسیسی، جرمن، انگریزی اور دنیا کی دیگر اہم زبانوں میں ہو چکا ہے اور انھیں یورپ اور امریکا کے بڑے بڑے تھیٹروں میں اسٹیج بھی کیا گیا ہے۔"

درج بالا قول سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ توفیق الحکیم کا مقام و مرتبہ قدیم و جدید عرب تمثیل نگاروں کے درمیان سب سے بلند ہے نیز انھیں اپنے معاصر فن کاروں پر یک گونہ واضح فوقیت حاصل ہے اور ان کی بے مثل تخلیقات و تمثیلات کو عرب دنیا میں ہی نہیں بلکہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

توفیق الحکیم کی پیدائش ۱۸۹۸ء میں بحیرہ ضلع کے "دمنہور" قصبہ میں اس زمانہ میں ہوئی جب انگریزوں کی شہ پر مصری علماء و ادباء اور فن کاروں کی اکثریت "لغتہ دارجہ" (مقامی بولی) اور "لغتہ فصحیٰ" (عربی مبین) کی لاینحل بحث میں الجھی ہوئی تھی اور بظاہر مقامی بولی کے حامیوں کو اپنے مخالفین پر کسی قدر فوقیت حاصل تھی۔ توفیق کی ماں ترکی النسل تھیں اور ان کے والد "اسماعیل" ایک مصری جاگیر دار گھرانے کے تنہا چشم و چراغ تھے لہٰذا توفیق کا

بچپن انتہائی ناز و نعم میں گذرا اور انہیں دنیا کا ہر عیش و آرام حاصل تھا تاہم ان کی ماں جنھیں اپنی نسلی برتری کا کچھ زیادہ ہی احساس تھا، کی جانب سے ان پر محلہ اور پڑوس کے بچوں کے ساتھ کھیلنے کودنے پر سخت پابندی عائد تھی جس کی وجہ سے توفیق الحکیم کی دنیا اپنے محل سرا کی چہار دیواری میں محدود ہو کر رہ گئی تھی بچپن کے ان بعض بظاہر معمولی واقعات کا انعکاس ہمیں توفیق کی تقریباً ہر تخلیق میں نظر آتا ہے۔

قصبہ "دمنہور" کے دیہاتی ماحول کی خرابیوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے توفیق کی ماں نے جلد ان کو اپنی بہن کے پاس اسکندریہ بھیج دیا، جہاں پہ توفیق نے ابتدائی تعلیم کے مدارج کامیابی کے ساتھ طے کیے اور اس کے بعد قانون کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے قاہرہ کا رخ کیا۔ قاہرہ میں قیام کے دوران میں توفیق نے موسیقی اور تھیٹریکل کمپنیوں میں دلچسپی لی اور اپنے کئی ڈرامے اسٹیج کئے، جن میں المرأة الجدیدة، الضیف الثقیل اور خاتم سلیمان علی بابا کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی لیکن توفیق کی یہ ابتدائی کوششیں آج گردش زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں اور ہمیں ان کا علم محض کتابوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی زمانہ میں توفیق نے سیاست سے دلچسپی لی اور سنہ ۱۹۱۹ء کے جزوی انقلاب میں سعد زغلول کی حمایت میں کئی مظاہروں میں حصہ لیا۔ مذکورہ بالا ڈراموں کا موضوع اور مواد بھی تقریباً ان کی سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کا مظہر ہے۔ مثلاً "الضیف الثقیل" (بن بلایا مہمان) سے مراد انگریزوں کا مصر پر غاصبانہ اور آمرانہ قبضہ تھا۔ اسی طرح "المرأة الجدیدة" میں مسئلہ حجاب کو پیش کیا گیا ہے۔ بہرحال توفیق کی ان ابتدائی کوششوں اور تخلیقات سے اس بات

کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ انہیں نہ صرف اجتماعی، معاشرتی اور سیاسی تغیرات
سے گہری دل چسپی تھی بلکہ وہ ان امور میں بڑھ چڑھ کر عملی حصہ بھی لیتے تھے۔
۱۹۲۴ء میں قانون کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد توفیق نے مزید اعلیٰ
تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے پیرس کا رخ کیا۔ جہاں پر انہیں "جہاں دیگر"
نظر آیا اور ان کی توجہ قانون کے مقررہ نصاب سے یکسر ہٹ گئی اور کلب و
تھیٹر اور "او پیرا ہاؤس" ان کی دل چسپی کا مرکز بن گئے نتیجۃً پیرس میں چار
سال تک قیام کے باوجود وہ قانون کی کوئی ڈگری تو حاصل نہ کر سکے البتہ
اس دوران میں یورپ بالخصوص فرانس کے کلاسیکل لٹریچر اور اس کے
ڈراموں پر ان کی نگاہ گہری ہوگئی اور ان پر یہ بات عیاں ہوگئی کہ فن
ڈراما محض نقالی اور دل بستگی کا نام نہیں ہے بلکہ اسے کسی مقصد یا تحریک
کے لیے بالواسطہ طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔
درحقیقت مولیر، میٹر لنک، کورنی، اناطول، ڈکنز، چیخوف، شلر،
وکٹر ہیوگو اور ابسین کے فن پاروں کا مطالعہ توفیق الحکیم کی دنیائے فکر و فن
کے لیے انقلاب آخریں ثابت ہوا۔ اور قانون کی موشگافیاں فن ڈراما
کی نزاکتوں اور باریکیوں میں ڈھل گئیں۔ اور مقنن ہونے کے بجائے
توفیق الحکیم ڈراما نگار بن گئے۔ فرانس میں قیام کے دوران میں انھوں
نے جو خطوط اپنے دوستوں کے نام لکھے ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ
انہیں ادب عربی میں اچھے ڈراموں کے فقدان کا سخت احساس
ہے۔ اور وہ ترسیل و ابلاغ کے اس موثر حربہ سے عرب ادباء اور فن کاروں
کو باخبر کرنا چاہتے ہیں۔[۲]
۱۹۲۸ء میں مصر واپس آنے کے بعد توفیق الحکیم نے اپنی ذو

شاہ کار کتابیں "اہل الکہف" (ڈراما) "عودۃ الروح" (ناول) عوام کے سامنے پیش کیں، جن میں اہل الکہف کو طٰہٰ حسین جیسے ادیب و نقاد نے عربی ڈراما نگاری کی تاریخ میں ایک اہم موڑ قرار دیا ہے۔ اور جس کی گونج حلقۂ علم وادب میں اب بھی باقی ہے۔ توفیق نے مذکورہ کتابوں کے بعد اور بہت سے ڈرامے اور کہانیاں لکھیں جن میں اغنیۃ الموت، یومیات نائب فی الاریاف، حمار الحکیم، نشید الانشاد۔ القصر المسحور، بجمالیون، الملک اودیب، شہرزاد، عصفور من الشرق اور ایزیس خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ الملک اودیب سوفوکلیز (۴۹۶—۴۰۶ ق م) کے ڈراما ایڈیپس دکنگ کا عربی روپ ہے جسے توفیق الحکیم نے اسلامی رنگ میں رنگ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اسی طرح ایزیس نامی ڈراما عہد فراعنہ سے متعلق ایک داستان پر مشتمل ہے جس کا تذکرہ یونانی مورخ ھیرودوتس نے اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ ہیرودوتس کے بیان کے مطابق ایزیس نامی کہانی قدیم مصریوں کے مذہبی معتقدات یعنی کشمکش خیر و شر پر مشتمل تھی اور اسے اس کے قیام مصر کے دوران میں عوام الناس کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں مورخ مذکور نے بعض ایسے عناصر کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے عہد فراعنہ میں ڈرامے کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

توفیق نے مذکورہ کہانی کو زور بیان اور قوت تخیل کے سہارے انتہائی خوبصورتی کے ساتھ ڈرامائی رنگ عطا کیا ہے۔ چونکہ کہانی کے مرکزی کردار اور اس کے تانے بانے مصری ماحول کی پیداوار تھے اسی لیے مصری اسٹیج پر ایزیس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور عوام کے اصرار پر اس کو کئی بار اسٹیج

کرنا پڑا۔

توفیق کے ڈراموں کی تعداد آج سو سے متجاوز ہو چکی ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے تاہم ان کے تمام ڈراموں کو یکساں اہمیت کا حامل قرار دیا جا سکتا اس لیے کہ ارباب علم و دانش نے جہاں ان کی بعض تخلیقات کو ادب عربی کا نادر نمونہ تبلایا ہے وہیں بعض کتابوں سے توفیق کے فن اور شخصیت کو نقصان بھی پہونچا ہے اور ایسا ہونا عین ممکن تھا کیوں کہ جس کثرت سے توفیق الحکیم نے ڈرامے لکھے ہیں وہ ادب عربی میں اپنی مثال آپ ہے۔ بہر حال جن ڈراموں کو ادباء اور ناقدین فن نے اہم قرار دیا ہے ان میں اہل الکہف، شہرزاد، سلیمان الحکیم اور رصاصتہ فی القلب کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ چونکہ توفیق کے جملہ ڈراموں کا احاطہ یہاں ممکن نہیں ہے لہذا مذکورہ چار ڈراموں کے خصائص و امتیازات کی روشنی میں ہم عربی ادب میں توفیق کے مقام و مرتبہ کو متعین کرنے کی کوشش کریں گے۔

"اہل الکہف" کو تمام ناقدین فن نے بالاتفاق عربی ادب میں فن ڈراما کا مکمل نمونہ قرار دیا ہے اس کے بارے میں طہٰ حسین کا خیال ہے۔

"انها اول قصة تمثيلية الفت فی الادب العرابی"

یہ عربی ادب میں پہلی تمثیلی کہانی ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر محمد عبد المنعم خفاجی لکھتے ہیں:

"مسرحية اهل الكهف عمل مسرحیّ فنی متكامل بل ثورة تجديدية كبرى فی الادب العرابی"

اہل الکہف نہ صرف ایک مکمل فنی ڈرامائی عمل ہے بلکہ ادب عربی کی تاریخ میں وہ ایک عظیم تجدیدی انقلاب سے عبارت ہے۔

مذکورہ خیالات و آراء سے جہاں اہل الکہف کی عظمت کا تعین ہوتا ہے وہیں توفیق الحکیم کی ادبی اور فن کارانہ صلاحیتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ توفیق کو حلقۂ علم و ادب میں گراں قدر مقام حاصل تھا۔ اس پہلو کی وضاحت کی ضرورت یوں پیش آئی کہ توفیق سے قبل علمائے فکر و ادب، صنف ڈراما کو درخور اعتناء ہی نہیں بلکہ حقیر اور بے مقصد شے خیال کرتے تھے ۔اور ان کا عام خیال تھا کہ ڈراما رکیک، پست اور کمتر ذہنوں کی پیداوار ہوتا ہے جسے بھانڈ، نقال، گویّے اور مسخرے سستی شہرت کے حصول کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ فن ڈراما سے متعلق اس غلط فہمی کا توفیق الحکیم نے نہ صرف ازالہ کیا بلکہ اپنے بلند پایہ و قابل قدر خیالات و نظریات کو اس میں داخل کر کے اسے "اعلیٰ علیین" تک پہونچا دیا۔

اہل الکہف کی کہانی ان تین راہبوں پر مشتمل ہے جو یہودی حکمراں دقیانوس کے خوف سے ایک غار میں پناہ گیر ہو گئے تھے اور اس میں تین سو سال سے زیادہ مدّت تک سوتے رہے۔ بیداری کے بعد جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ اپنے عرصۂ حیات سے تین سو سال آگے بڑھ چکے ہیں اور موجودہ دنیا سے ان کا تعلق سماجی، معاشرتی اور زمانی سطح پر یکسر منقطع ہو چکا ہے تو وہ لوگ از خود دوبارہ غار میں جا کر موت کا انتظار کرنے لگے۔

مذکورہ واقعہ کو قرآن مجید میں درس عبرت اور اللہ کی نشانی بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی زمان و مکان پر قدرت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے لیکن توفیق نے اس واقعہ سے ذیلی طور پر اپنے اس خوب صورت فلسفۂ حیات کا مجسمہ تراشا ہے جس کی رو سے زندگی مجرد اکائی کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح شعور اور مکمل تعریف

زمان ومکان اور خود زندگی زمان ومکان کے ساتھ باہمی ترابط وتوافق کے تناظر میں پنہاں ہے اور جب کبھی بھی ان میں کسی طرح کا خلل یا تفاوت واقع ہوتا ہے وہیں سے موت یعنی فنا کا دور شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ اصحاب کہف کے ساتھ ہوا۔

اس طرح کے فلسفیانہ افکار وخیالات پر مبنی توفیق الحکیم کی دیگر تصنیفات بھی ہیں مثلاً عودۃ الشباب اور رحلۃ الی الغد وغیرہ۔ کسی تاریخی واقعہ پر اپنے فکر کی اساس رکھنا اور اس کو اسٹیج پر پیش کرنا بظاہر مشکل عمل ہے لیکن توفیق اپنی اس کوشش میں نہ صرف کامیاب ہوئے ہیں بلکہ اپنے بعد آنے والے فن کاروں کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ بھی چھوڑا ہے۔

کسی تاریخی واقعہ کو ڈراما کے لیے انتخاب کرنے سے قبل کئی باتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے اول یہ کہ وہ تاریخی واقعہ بذات خود صحت اور صداقت پر مبنی ہو۔ دوئم یہ کہ اس کے انداز پیش کش میں ان تمام احوال وظروف کا دقت نظری کے ساتھ خیال رکھا جائے جن میں وہ واقعہ رونما ہوا ہو کیونکہ ان میں ہلکی سی تبدیلی یا تغیر تخلیقی عمل کی جاذبیت کو نقصان پہونچانے کے لیے کافی ہے۔ توفیق الحکیم نے ان بعض اہم پہلوؤں کی طرف اپنی تنقیدی کتاب "فن الادب" میں بڑی وضاحت کے ساتھ اشارہ کیا ہے ان کا یہ اپنا قول ہے کہ اصحاب کہف کے بارے میں ڈراما لکھنے کی تحریک میرے ذہن میں اس وقت پیدا ہوئی جب میں نے ایک دن نماز جمعہ کی ادائیگی سے قبل خطیب مسجد کی زبان سے ان کی حکایت دلپذیر سنی۔ گرچہ قیام پیرس کے دوران میں اس واقعہ کا خیال طرح طرح

سے میرے ذہن میں آتا رہا، لیکن اس پر قلم اٹھانے کی جرأت میں نے فرانسیسی ادب و فن سے کامل واقفیت کے بعد کی۔

اور یہ حقیقت ہے کہ توفیق نے مذکورہ واقعہ کے بیان کے سلسلے میں ان تمام معتبر روایتوں کا سہارا لیا ہے جن تک ان کی رسائی ممکن تھی اور اس طرح ڈراما کا سارا ماحول صحیح تاریخی پس منظر اور اس کے جملہ تقاضوں کے ساتھ شاہدین کے سامنے اسٹیج ہوتا ہے۔ یہاں اس بات طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ توفیق الحکیم نے ڈراما میں لوگوں کی دل چسپی برقرار رکھنے کی غرض سے بعض غیر تاریخی کرداروں کا اضافہ بھی کیا ہے لیکن اس خوبی کے ساتھ کہ ان سے ڈراما کے تاریخی ماحول پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ کردار بھی ڈرامے کا ایک جزو نظر آتے ہیں۔ "اہل الکھف" کے یہی وہ بنیادی اوصاف ہیں جن کو مدنظر رکھ کر طٰہٰ حسین نے اس کو پہلی تمثیلی کہانی قرار دیا ہے ورنہ شوقی بک کے تمام تاریخی ڈراموں کو انھوں نے "طویل بیانیہ شاعری" سے تعبیر کیا ہے۔

"شہرزاد" نامی ڈراما توفیق کی ان بلند پایہ تخلیقات میں ایک ہے جن کا دنیا کی کئی بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور جن کے بارے میں بین الاقوامی شہرت کے حامل ناقدین فن کی رائیں نہ صرف بہت اچھی ہیں بلکہ ان سے خود ع۔ بی ڈراموں کے معیار و مرتبہ کا تعین ہوتا ہے مثلاً ایک فرانسیسی نقاد جورج لی کانٹ Georg Le cant کا شہرزاد کے بارے میں خیال ہے کہ:

"تاریخ انسانیت کی اس عظیم خزینہ داستان کو ڈرامائی شکل دینے کی جرأت کسی مشرقی نازک خیال اور موزوں طبع

شاعر کے لیے ردا تھی تاہم توفیق نے اس مشکل عمل کو اتنی
خوب صورتی اور دل آویزی کے ساتھ عربی ادب میں پیش
کیا ہے کہ ہم مشکوک ذہنیت و مزاج کے لوگ کہانی سے
مسحور ہونے سے قبل حیران و ششدر رہ گئے ہیں۔"

شہرزاد کی کہانی درحقیقت الف لیلہ و لیلہ کا تکملہ ہے لیکن توفیق نے اپنے فکر کی آنچ سے اس بظاہر معمولی واقعہ کو کندن بنا دیا ہے اور علم و معرفت اور تشکیک و تردید کی فضا سے سارا ڈراما معمور نظر آتا ہے کیوں کہ مادی و روحانی اقدار کی آویزش سے ڈرامے کے پلاٹ کی تشکیل جملہ فنی تقاضوں کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے نیز انسانی ذہن کے ترددات و تفکرات کو کرداروں کے ذریعہ توفیق نے ایک دل آویز پیکر عطا کیا ہے اسی لیے مشاہدین کی توجہ کسی لمحہ بھی اسٹیج سے نہیں ہٹتی، اور وہ ہمہ تن گوش ہو کر کرداروں کے باہمی تصادم میں اپنے شکوک و شبہات کا حل تلاش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی چیز درحقیقت کسی بڑے فن کار کی بلندی و رفعت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ گویا توفیق نے ڈراموں کو محض دل بستگی اور تفریح طبع کا وسیلہ نہیں فرض کیا بلکہ اس کے ذریعہ اپنے فکر و خیال کو خوبصورت پیرانہ میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش بھی کی ہے۔ اس لحاظ سے شہرزاد توفیق کے پیچیدہ اور مشکل ترین ڈراموں میں سے ایک ہے اور اسے پڑھ کر بے ساختہ برنارڈ شا کی "کینڈیڈا" کی یاد آجاتی ہے۔ وہی ابہام وہی اشکال شہرزاد کے اردگرد نظر آتا ہے جس کا مشاہدہ ہم کینڈیڈا کی شخصیت کے ضمن میں کرتے ہیں۔

شہزاد ڈراما کے مرکزی کرداروں میں شہریار اور شہرزاد دونوں ہیں اور دونوں علی الترتیب مغرب و مشرق کی نمایندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ شہریار کا اگر علم حاصل کرنے کے مادی و جسمانی وسائل و ذرائع پر یقین ہے تو شہرزاد

"آتے ہیں غیب سے مضامیں خیال میں"

کی قائل ہے۔ اسی لیے اس کو کم عمری کے باوجود دنیا کے تمام نشیب و فراز کا علم ہو جاتا ہے۔ شہریار اس حقیقت پر نہ صرف متحیر ہوتا ہے بلکہ شہرزاد سے بار بار مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کے سامنے اپنے ذریعہ معلومات کو منکشف کر دے۔ شہرزاد جسے خود اس حقیقت کی وضاحت پر قدرت نہیں ہوتی۔ مختلف بہانوں سے شہریار کو ٹال دیتی ہے تاہم شہریار اپنے استفسارات کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ خود اس حقیقت کا بچشم خود مشاہدہ کرنے کی غرض سے دنیا کے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے کہانی کلائمکس پر اس وقت پہونچتی ہے جب شہریار واپس ہو کر شہرزاد کو کالے حبشی غلام کی بانہوں میں جھولتا دیکھ کر خاموشی اور صبر سے کام لیتا ہے، حالاں کہ اس کا وزیر جسے خود شہرزاد سے بے انتہا عقیدت ہوتی ہے، اس سے بار بار شہرزاد کی گردن مارنے کی درخواست کرتا ہے۔

درحقیقت شہریار کے بارے میں شہرزاد کی جو رائے ہے وہی مغربی علوم و فنون کے ماہرین کے بارے میں توفیق الحکیم کی ہے بالفاظ دیگر شہرزاد کی طرح توفیق کا بھی یہی خیال ہے کہ علوم و فنون کی معرفت کے ذرائع میں عقل و شعور کے بالمقابل وجدان و

تحت الشعور کو زیادہ بلند مقام حاصل ہے۔ اور انسان ان کے ذریعہ ان مقامات کی سیر اور ان احوال کا انکشاف کر سکتا ہے جن کا علم مجرد عقل سے ممکن نہیں لہذا وجدان تحت و تحت الشعور کو نظر انداز کر کے علم و معرفت کے بنیادی پہلوؤں کا احاطہ ناممکن ہے۔ علم و ادراک کے مابین توفیق کے نزدیک کافی فرق ہے ان کا خیال ہے کہ یورپی اور مغربی علوم و فلسفہ اور سائنس کا بنیادی نقص یہ ہے کہ وہ مشرقی روحانیت اور اس سے حاصل شدہ معلومات و نتائج کے قائل نہیں نیز ان کے نزدیک وجدان اور تحت الشعور کو وسیلہ علم و ادراک قرار دینا غلط ہے۔ اسی بنا پر مغرب، مشرق کے ان تمام واقعات سے یا تو منحرف یا ان کے بارے میں متردد ہے جو اس کی عقل کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے یا جو اس کے تجربات کے برعکس ہیں۔

مختصراً شہرزاد کا پورا ماحول اس خیال کی تبلیغ کا آئینہ دار ہے کہ عقل و شعور کی طرح وجدان اور تحت الشعور کو وسیلۂ علم و ادراک تسلیم کیا جانا چاہیے نیز ان سے حاصل شدہ حقائق و معلومات پر حیرت زدہ ہونے کے بجائے ان پر یقین لانا چاہیے ظاہر ہے کہ اس طرح کے فکر و خیال سے خواہ ادب کی کوئی بھی صنف گراں بار ہو سکتی ہے۔ لیکن توفیق کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے اپنے فن پارہ کو فکر کے بوجھ سے بوجھل نہیں ہونے دیا اور انتہائی دل آویز و دل کش اسلوب میں اپنے خیال کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اس نوع کی فکری کوششیں نہ صرف قومی اور ملی شعور کو

بیدار کرتی ہیں بلکہ مشرقی لوگوں کے دلوں سے احساس کمتری کا ازالہ
کر کے ان میں خود اعتمادی اور خود شناسی کا جوہر پیدا کرتی ہیں
اور اس طرح کے مقاصد کا حصول تقریباً ہر بڑے فن کار کا مطمح نظر
ہوتا ہے اس لحاظ سے ہم توفیق الحکیم کو یقیناً ایک ممتاز فن کار
قرار دے سکتے ہیں۔

"سلیمان الحکیم" نامی ڈراما حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کے درمیان
واقع ہونے والی اس داستان پر مشتمل ہے جسے قرآن مجید نے بظاہر
معمولی واقعہ قرار دیا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت سلیمانؑ اور بلقیس
کے مابین تبلیغ و ارشاد کا رشتہ تھا نیز اس نے کسی مقام پر بھی بصراحت
تاریخ کی ان دو نامور شخصیتوں کے درمیان عشق و محبت کا اشارہ نہیں
دیا ہے پھر بھی توفیق الحکیم نے اسرائیلی روایات و خرافات کے سہارے
مذکورہ ربط و اتصال میں عشق و محبت کا عنصر تلاش کر لیا اور
اسے خوب صورت ڈرامائی رنگ دے کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

عشق و محبت کی اس داستان کے پس پردہ محض تفریح اور دل بستگی
کا جذبہ کار فرما نہیں ہے بلکہ کہانی کی زیریں لہروں کے سہارے
توفیق نے لوگوں تک یہ خیال پہونچانا چاہا ہے کہ انبیاء کرام اور
رسل عظام اپنے امتیازات و فضائل کے باوجود ان تمام
خصائص سے متصف ہوتے ہیں جن سے انسانی وجود کی تشکیل ہوتی
ہے اور وہ ہمارے لیے نمونۂ عمل بننے کے باوصف ہماری زندگی کی
طرح زندگی گذارتے ہیں۔ وہ قابل پرستش نہیں بلکہ معیار حق و صداقت
ہیں، مثلاً ایک مقام پر صادوق پجاری اور حضرت سلیمانؑ کا مکالمہ

ملاحظہ ہو:

صادوق :- اگر آپ سے کوئی غیر دانش مندانہ فعل سرزد ہوا بھی ہو تو اس کا یوں اظہار و اعلان مناسب نہیں۔

سلیمان :- نہیں ..... میں اظہار و اعلان نہیں بلکہ لوگوں پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا جوہر خاکی ان کے جوہر خاکی سے مختلف نہیں۔ اگر لوگوں پر مجھے کوئی فضیلت حاصل ہے تو صرف اس احساس پشیمانی کی وجہ سے جو لغزش کے وقت مجھے بے قرار کر دیتا ہے یا اس احساس ندامت کے سبب جو میرے وجود کو جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ سچی توبہ، طلب مغفرت اور پرخلوص کوشش کی بنا پر میں اوروں سے اچھا ہوں۔

یا اسی طرح ایک دوسری جگہ حضرت سلیمانؑ، صادوق پجاری کو یوں مخاطب کرتے ہیں:

سلیمان : مذہبی پیشوا! تم پر افسوس ہے ..... اے باکمال فن کارو! اے صورت گرو! کب تک تم انبیاء کرام کو اپنے افکار و خیالات و احساسات سے بلند ایک ننھا شاہکار سمجھتے رہو گے تاکہ تم انھیں معابد و مساجد کی دیواروں پر روشن اور چمکدار بنا کر آویزاں کر سکو۔

(مذاہب اور پیغمبران مذاہب کے بارے میں توفیق الحکیم نے افکار و نظریات کی ترسیل کے لیے ڈراما کا سہارا لیا ہے لیکن اس

خوبی کے ساتھ کہ کہیں پہ پروپیگنڈہ کی سی کیفیت پیدا نہیں ہو پائی ہو اور یہی خوبی ایک ممتاز فن کار کی شناختی علامت ہوتی ہے۔ توفیق کے خیالات و نظریات سے انکار ممکن ہے لیکن ان کی پیش کش کے لیے انھوں نے جو اسلوب اور انداز بیان اختیار کیا ہے اس کی خوبیوں سے کسی ناقدین کو شاید ہی انکار ہو۔ مذکورۂ ڈراما کا اگر ہم سنجیدگی نیز دیگر تمام روایتی معتقدات سے ہٹ کر مطالعہ کریں تو ہمارے لیے اس میں عبرت و موعظت کے بیش بہا پہلو ہیں اور اسی جذبہ سے سلیمان الحکیم کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

"رصاصتہ فی القلب" کا تذکرہ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ اس میں توفیق الحکیم عصری مسائل و مشاکل کو ہلکے پھلکے مزاحیہ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ نیز موضوع کی متانت اور سنجیدگی کے باوجود اسے طربیہ شکل میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد عبدالمنعم خفاجی اس ڈراما کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وھی (رصاصتہ فی القلب) من اجمل نماذج الاتجاہ الکومیدی الخفیف فی مسرح الحکیم فضلا عن انھا نموذج فرید نادر فی ادبنا المسرحی الکومیدی العاطفی الواقی

"رصاصتہ فی القلب" نامی ڈراما حکیم کے ڈراموں میں ہلکی پھلکی کامیڈی کے بہترین نمونوں میں سے ایک ہے۔ علاوہ ازیں یہ ڈراما ہمارے جذباتی ترقی پذیر طربیہ ادب میں ایک منفرد اور انوکھی مثال ہے۔

بلاشبہ اگر توفیق کی جملہ تمثیلات کا تذکرہ کیا جائے تو اس

کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہوگی لہذا مذکورہ بالا چار ڈراموں کا مختصر
جائزہ توفیق کی فن کارانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے
اور اسی سے ان کے فکر و فن کی قدر و قیمت کا بڑی حد تک اندازہ لگایا
جا سکتا ہے. توفیق نے زندگی کے تقریباً ہر پہلو کا نہ صرف اپنی تخلیقات
کے لیے انتخاب کیا بلکہ اس میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار
لاکر ایسے نکتے اور باریکیاں پیدا کیں ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے
یہ حقیقت ہے کہ توفیق نے سماجی، اخلاقی، تاریخی، مذہبی، اجتماعی
نیز فلسفیانہ موضوعات کو ڈراما کے قالب میں ڈھا کر ادب عربی کے
دامن کو نہ صرف مالا مال کیا ہے بلکہ عربی ڈراما کو اپنی کد و کاوش سے
ادبیات عالم کی صف میں لا کھڑا کر دیا ہے ۔ اُن کے بعض ڈراموں میں
اگر موجودہ زمانے کے مسائل و مشکلات کی جھلک نظر آئے گی تو بعض
اسلامی اور مصری تاریخ کے روشن و تابناک ماضی کو زندہ کرنے کی
کوششوں کا نتیجہ ہیں ۔ لیکن اس طرح کی کوششوں کے پس منظر میں
بھی ہمارے عہد کی کوئی نہ کوئی داستان یا مسئلہ پوشیدہ ہوتا ہے۔
مختصراً یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ توفیق کے ڈراموں میں شا اور ابسن
کی "مسئلہ پسندی" میٹرلنک کی رمزیت اور ایمائیت اور سوفوکلیز اور
شیکسپیر کی جامعیت اور معنویت ہر چیز موجود ہے ۔ ان کے ہجو و طنز
میں جاحظ و سوئفٹ کی تیزی اور ارسٹوفینز اور وکٹر ہیوگو کی مقصدیت
دونوں باتیں پائی جاتی ہیں انھیں خصائص و امتیازات کی بنا پر ان کے بارے
میں نجیب محفوظ، جو خود ایک کامیاب ڈراما نگار اور ناول نویس ہیں، نے
درج ذیل الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے :

"توفیق الحکیم بلاشبہ بانیانِ عربی ڈراما کے قائد اور راہبر ہیں
اور ان کے بعد ہماری نسل کو مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی اور
اس کے بعد یوسف ادریس اور صلاح عبدالصبور کی نسل فن
ڈراما کے میدان میں اتری اور نئی زمانہ چوتھی نسل یعنی نوجوان
ڈراما نویس نئے نئے تجربات میں مصروف ہیں۔"

توفیق الحکیم کی مقبولیت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی
لگایا جا سکتا ہے کہ مصر و عرب کے سیاسی اور تعلیمی حلقوں میں ان کے
آراء و افکار کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہ اب تک مختلف
قومی اور بین الاقوامی عہدوں پر اپنی گراں قدر خدمات انجام دے
چکے ہیں۔

KASHMIR UNIVERSITY
Iqbal Library
Acc. No. 312002
Dated 18.3.92

ALLAMA IQBAL LIBRARY
312002